رہتا قلم سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے ہے بس یہی دو پست و چار پست

ارکان کے چند ندوی فضلاء

تالیف:

محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:

دارالبحوث والمناصرة الاسلاميه
چاٹگام بنگلادیش۔

کتاب : ارکان کے چند ندوی فضلاء۔

مؤلف : محمد طاہر جمال ندوی، فاضل دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا۔

باراول : اکتوبر: ۲۰۲۳ء۔

تعداد : ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

کمپوز : محمود العالم (اندر قلعہ، چاٹگام، بنگلادیش)۔

ناشر : دارالبحوث والمناصرة الاسلامیۃ چاٹگام، بنگلادیش۔

ملنے کا پتہ : 0088-01533091784

Email : tahernadwi@gmail.com

انتساب

ان تمام مجاہدین اور سرفروشوں کے نام، جنھوں نے سرزمینِ ارکان میں اپنے دین وایمان اور وطن مقدس اور مظلوم مسلمانوں کو طاغوت کے پنجے سے آزاد کرنے کے لئے قربانیاں دیں اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا، فمنهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر و ما بدلوا تبديلا۔

محمد طاہر جمال ندوی

فہرست:

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ و صحبہ اجمعین، ولا عدوان الا علی الظالمین۔ اما بعد:

شک نہیں ہے کہ تاریخ قوم کا آئینہ ہے، آئینے میں جس طرح دیکھنے والوں کو اپنا عکس نظر آتا ہے، ٹھیک اسی طرح قوم اپنی تاریخ میں اپنی قومی زندگی کو دیکھ لیتی ہے، جس کے ذریعے وہ اپنی قومی زندگی کے حال اور مستقبل کو سنور لیتی اور لے سکتی ہے۔

یہ بات کبھی بھی سچائیت پر مبنی نہیں ہے کہ روہنگیا قوم کے بزرگوں نے اپنی قوم کے لئے کچھ بھی نہیں کیا ہے، جیسا کہ بعض نادان ہمارے بزرگوں پر آئے دن الزام لگاتے پھرتے ہیں، دانشوران کے علی الرغم علمائے دین متین پر بطور خاص الزامات لگاتے نہیں تھکتے ہیں کہ انہوں نے صرف اور صرف دین اور دین داری کے بہانے لوگوں کو لوٹا ہے، مذہب کے لبادے میں اپنے عوام سے عموما اور نئی نسل سے خصوصا دھوکہ اور فریب کیا ہے، اگر یہ لوگ قوم کے لئے کچھ کئے ہوتے تو روہنگیا مسلمانوں کا حال آج ایسا نہیں ہوتا، جیسا آج ہم دیکھ رہے ہیں، اور ڈھنڈور پیٹتے پھرتے ہیں کہ ہمارے آج کے علماء قومی خدمات کے حوالے کسی کام کے نہیں ہیں، اگر یہ کام کے ہوتے تو روہنگیا مسلمانوں کی تقدیر کب بدل گئی ہوتی۔

دراصل بات یہ ہے کہ نہ قومی خدمات کے حوالے سے ہمارے دانشوران غافل تھے اور نہ علمائے کرام بے خبر، کھلی آنکھ سے مطالعہ کیا جائے تو رات کے اندھیرے میں دیکھا جا سکتا ہے کہ نہ صرف قومی خدمات کے میدان میں ان دونوں طبقوں نے بساط بھر خدمات کیں بلکہ ہمارے روشن ضمیر عوام بھی کسی طرح پیچھے نہیں رہے تھے، اس حوالے سے ہماری خدمات کی تاریخ میں اور تو اور ۱۹۴۲ء کے بعد سے آج تک دیکھا جا سکتا ہے، کہ ہماری اس طویل تاریخ میں علماء، دانشوران کے

ساتھ ہمارے عوام نے بھی لازوال قومی خدمات انجام دی ہیں، اس حوالے سے ہزاروں نے جام شہادت پی کر جنت کے اعلی درجات کے مستحق بنے، کوئی غازی بن کر رہتی زندگی میں مزید خدمات انجام دیتے ہوئے راہی ملک بقاء ہوئے، جس کا روشن سلسلہ تا حال الحمد للہ جاری ہے، **فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا۔**

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ سرزمین اسلام ارکان علماء وصلحاء، درویش اور خدارسیدہ بزرگوں کی سرزمین ہے، جس کے چپے چپے اور گوشے گوشے میں ہمارے ان بزرگوں کی ان گنت خواب گاہیں موجود ہیں، جنہوں نے اس کو اسلام کی روشنی اور تابانی سے روشن اور تاباں کیا اور اس گلشن اسلام کی آبیاری اور پاسبانی کی، اور اس کار خیر کے لئے اپنی زندگیاں کھپائیں اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے، ویسے ہم آج فخر سے سر بلند کر کے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اسلاف اور ان کی روشن اور گراں قدر خدمات اور ان کے انگنت کارنامے دنیا کی دیگر زندہ دل قوموں کے اسلاف اور ان کی گراں مایہ خدمات اور کارناموں سے کسی بھی معنی میں کم نہیں ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنے خاص فضل وکرم سے ان کی زندگیاں اور ان کی تمام خدمات اور کارناموں کو شرفِ قبولیت بخشے، اور ان کی بال بال مغفرت کر کے انہیں جنت الخلد میں جگہ عطا فرمائے، پھر ہمیں اپنے ان زندہ دل اسلاف اور بزرگوں کے نقوش قدم پر چلتے ہوئے اسلام اور امتِ مسلمہ بشمول تمام بنی نوع انسان کی خدمات انجام دینے کی توفیق سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

لیکن ہمارے لئے یہاں ایک افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے حالات چاہے اجمالی ہی سہی اپنی آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ نہیں رکھ سکے، آج کل جو حالات ہماری بھولی بسری تاریخ اور سوانحی دستاویزات میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں ان کے متعلق ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ در اصل وہ سب ہمارے ان روشن ضمیر بزرگوں کی خدماتِ جلیلہ کا دسواں حصہ بھی نہیں ہیں، حقیقت یہ کہ ہمارے اسلاف سمیت ہماری ماضی کے بزرگانِ دین اتنے مخلص تھے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا، اللہ تعالی کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے کیا، اور دکھاوے سے ان کے دل ودماغ کوسوں دور تھے، شاید ان کے نزدیک ان کی خدمات اور سرگرمیوں کو آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ رکھنے کی کوئی بھی کوشش ان کے اخلاص وللّٰہیت کی منافی تھی، اور شاید اس لئے بھی ہو کہ انہوں نے اپنی کسی بھی خدمات،

کارناموں اور سرگرمیوں کی کسی بھی روداد اپنی آنے والی نسلوں کے لئے کہیں بھی محفوظ نہیں رکھی، کہیں آنے والی نسلیں ان کی ریکارڈ کردہ چیزوں کو دیکھ کر یہ خیال نہ کرے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا جوئی کے بجائے لوگوں کو دکھانے اور داد حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔

دراصل بات یہی ہے کہ ہمارے لوگوں کو چاہے ان کا تعلق ماضی سے ہو یا حال سے ریکارڈ رکھنے کی عادت ہی بہت کم ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کے تاباں اور درخشاں کارناموں کے حوالے سے آج کل جتنی بھی چیزیں ملتی ہیں، ان کا تقریبا نوے فیصد حصہ میرے علم کے مطابق ہماری برادری ''روہنگیا'' کا نہیں بلکہ غیروں کا محفوظ کردہ ہے۔

الا یہ کہ سولہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی کچھ تحریریں اور کچھ ریکارڈ کردہ دستاویزات برصغیر ہند کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جن میں کلکتہ نیشنل لائبریری میرے نزدیک ناقابل فراموش ہے، علاوہ ازیں شنید ہے کہ یہاں کے کتب خانوں کے علاوہ برطانیہ کے دیگر کتب خانوں میں ہماری اس نوعیت کی چیزیں محفوظ ہیں، بر طانیہ سمیت یوروپ والے جن کو علم و ہنر کے حوالے سے ضروری چیزوں کو محفوظ رکھنے کی گویا لت لگی ہوئی ہے، مگر افسوس ہے کہ وہاں کی ساری چیزیں ہم جیسوں کی دسترس سے کوسوں دور اور باہر ہیں۔

بہر حال ۱۹۹۸ء کے دوران میں نے کلکتہ نیشنل لائبریری میں چند دن مطالعے و مراجعے میں گزارے، وہاں سے اپنی بساط بھر استفادہ کیا، اگر ہماری تاریخ، ثقافت اور تہذیب وتمدن کے حوالے سے وہاں پائی جانے والی چیزوں پر مزید مطالعہ کیا جائے (جو بہت اہم اور نہایت ضروری ہے) تو کام کی ایک بڑی بات ہوگی، اللہ کرے کہ ہمارے کسی اہل نظر لکھاری کو اس کی توفیق ہوجائے۔

بطور خاص ۱۹۹۲ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک پھر رہ رہ کر اس کے بعد کے عرصے میں سرزمین ارکان کی تاریخ اور ثقافت کے علاوہ اس علاقے کے حوالے سے دیگر ضروری موضوعات پر بساط بھر مطالعہ کی توفیق ہوئی تھی، اس طویل مطالعہ کے دوران کوشش کی گئی تھی کہ سرزمین ارکان بشمول دیگر علاقہ جات اور خطوں میں مدفون ہمارے اسلاف کی بھولی بسری زندگیاں اور ان کی خدمات و کارناموں کو کسی بھی طریقے سے محفوظ کرلیا جائے، اس حوالے سے ابھی کوشش شروع کی تو اشہب قلم مسلسل آگے بڑھنے کی جگہ چند قدم چل کر رک سا گیا، اور آگے بڑھنے کے بجائے ہچکولے پر ہچکولے کھاتا رہا تھا، اس حالت

میں اللہ تعالی کی طرف رجوع کیا گیا، الحمد للہ جس کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کے صدقے پھر اساتذۂ کرام اور بزرگوں کی دعا اور نیک تمناؤں کی برکت سے اس پر کٹھن اور سنگلاخ میدان میں اگرچہ رک رک کر سہی قدم آگے بڑھنے لگا تھا، اور اپنی مستعار نجی زندگی کے کچھ نجی مصروفیات کے علی الرغم دیگر علمی وقلمی مشغولیات کے ساتھ ہی ساتھ چند سال گزرتے نہ گزرتے ''سرزمین ارکان کے درخشاں ستارے'' کے عنوان سے دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک کام کی چیز مسودہ سے آگے بڑھ کر مبیضہ کی صورت اختیار کرچکی ہے۔ یہاں ایک اور بات جو میرے نزدیک بہت اہم اور قابل تذکرہ ہے کہ ان مذکورہ دس مجلدات (جن میں ہمارے تقریبا ساڑھے چھ سو سے زائد اعیان کرام کی زندگیاں کسی کی اجمالی اور کسی کی تفصیلی شکل میں محفوظ ہوچکی ہیں) کے علاوہ اس سلسلے اور اسی موضوع کی کچھ اور کوششیں (جن میں سے کچھ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں اور کچھ زیر طبع اور زیر نظر ہیں) ہوچکی ہیں، سر دست ان ساری کاوشوں پر کچھ لکھا جائے تو بات بڑی طویل ہونے کا شدید اندیشہ ہے، تاہم قدرے اجمال کچھ یوں ہے کہ؛

(۱) تذکرۂ علامہ سید الامین رحمۃ اللہ علیہ: یہ تصنیف تقریبا ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل خاکسار کی ایک ناچیز کوشش کا نتیجہ ہے، جو ۲۰۲۰ء میں ''دارالبحوث والمناصرۃ الاسلامیہ چاٹگام، بنگلا دیش'' سے چھپ کر منظر عام پر آگئی اور ناظرین کرام کے ہاتھوں ہاتھ پہنچ کر بے حد مقبول ہوچکی ہے، الحمد للہ۔

(۲) تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبد السلام صاحب ارکانی رحمۃ اللہ علیہ: یہ راقم کی گراں قدر تصنیف پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل زیر طبع ہے، ظاہر ہے کہ یہ حضرت مولانا شاہ عبد السلام صاحب ارکانی گودام فاروی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے، اللہ کرے تو جلد طبع ہوکر منظر عام پر آنے والی ہے۔

(۳) سالار کارواں: میری یہ ناچیز کاوش بھی الحمد للہ زیر طبع ہے، تقریبا چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ ہمارے عظیم قائد حضرت محمد جعفر حبیب کجافوی، علی چنگی کا تذکرہ ہے، اللہ کرے تو بہت جلد منظر عام پر آنے والی ہے۔

(۴) سرخیل کارواں: یہ ہمارے ایک مرد مجاہد (جن کا نام تا حال منظر عام پر لانا مناسب معلوم نہیں ہو رہا ہے) کا تذکرہ اور اس کی نسبت سے قائم زیر زمین کام کرنے والی ایک روہنگیا تنظیم کی حسین وجمیل اور بڑی دلچسپ روداد ہے، زیر نظر یہ کاوش بھی ساڑھے چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

ہمارے یہاں دینی نظام تعلیم جسے عمومی طور پر درس نظامیہ کہا جاتا ہے، جو ہمارے مدارس دینیہ کا نظام تعلیم ہے، ہمارے یہاں برطانوی دور حکومت میں بعض مدارس میں عالیہ لائن (جن کی سرپرستی حکومت کرتی تھی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ جن کا مرکز تصور کیا جاتا تھا) کے ساختہ پرداختہ کچھ علماء بھی درس دیا کرتے تھے، مگر بعد میں ہمارے ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کا چھاپ نمایاں ہوگیا تھا، اور دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ اشرفیہ لاہور، دارلعلوم کراچی، جامعہ اسلامیہ پٹیہ، مدرسہ معین الاسلام ہاٹھزاری وغیرے کے مستند فارغین علماء درس دیا کرتے ہیں۔

لیکن دارالعلوم دیوبند کے بعد ولی اللہی مکتب فکر کی اور ایک شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بہت کم فضلاء ہمارے اس علاقے میں پائے گئے، بس گنے چنے چند بزرگ تھے، جن میں مولانا افلاطون ندوی، مولانا سکندر ندوی، مولانا محمد انور ندوی، مولانا رشید احمد ندوی اور مولانا مشتاق احمد ندوی جیسی قابل ذکر ہستیاں تھیں، اور مولانا رشید احمد ندوی کا جہاں تک تعلق ہے ان کی زندگی تقریبا پاکستان میں گزر گئی، اور مذکورہ تمام کی تمام ہستیاں اللہ کے پیارے ہوگئیں، پھر ہمارے معاصرین میں چند ندوی فضلاء ہیں، جن میں مولانا عتیق الرحمن ندوی، مولانا نورالہدی ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں، اللہ تعالی ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا کرے۔

اور باقی راقم سطور سمیت اور چند ندوی فضلاء ہیں، جن میں میرے علم کے مطابق مولانا محمد امین ندوی، مولانا عبدالرحمن ندوی اور مولانا محمد ایوب ندوی حیات سے ہیں، ان میں سے جتنے حیات سے ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالی ان ندوی فضلاء کی حیات میں برکت دے اور انہیں دین وملت اور قوم ووطن کی خدمات کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

محمد طاہر جمال ندوی

چاٹگام، بنگلا دیش۔

۰۶/۱۰/۲۰۲۲ء

ارکان کا تعارف

سرزمین اسلام ارکان کی حدود میں مختلف ادوار میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر کمی بیشی ہوئی ہے، کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ ارکان کی حدود ایک طرف ڈھاکہ تک پہنچی تو دوسری طرف تھائلنڈ اس کا دوسرا سرا تھا، یہاں تک کہ ۱۶۲۵ء تک بنگال کے علاقے نواخالی اور باقرگنج سمیت ڈھاکہ کو بھی اس مملکت میں شامل کرلیا گیا تھا آئین اکبری کے مطابق ارکان بنگال کے جنوبی مشرق میں ایک وسیع ملک ہے، جسے ارخنگ کہا جاتا ہے، اور چاٹگام کی معروف بندرگاہ اس ملک میں شامل ہے۔

سرزمین ارکان کا حالیہ رقبہ چودہ ہزار دوسو (۱۴۲۰۰) مربع میل ہے، جو میانمار کے جنوب میں دریاؤں اور بلند پہاڑوں، زرخیز اور پرفضا میدانوں پر مشتمل ایک خوب صورت علاقہ ہے، اور خلیج بنگال کے مشرقی ساحل کے ساتھ جنوبا وشمالا پھیلا ہوا ہے، جس کی چوڑائی شمال میں زیادہ ہے، تقریبا ایک سومیل سے بتدریج کم ہوتی ہوئی یہ چوڑائی جنوب میں صرف بیس میل تک رہ جاتی ہے۔

۱۹۶۵ئ ء تک ارکان کا معروف پہاڑی علاقہ ''پلوا'' ارکان ہی میں شامل تھا، مگر حکومت برما نے اپنی آزادی کے بعد اس پہاڑی علاقے کا بیشتر حصہ چھن اسٹیٹ میں شامل کردیا ہے۔ اسی طرح سانڈوے ضلع سے بھی مزید دوسومیل کا علاقہ مع دو جزائر کو ایراوڈی ڈویژن میں شامل کردیا گیا ہے، جس پر ارکان کے تمام باشندے ناراض ہیں۔

اس سرزمین کے شمال میں ہندوستان کے علاقے اور برما کی ریاست چھن اور مشرق میں اس کی سرحد بلند وبالا کوہ ارکان ہے، جو کوہ ہمالہ کا ایک عظیم پہاڑی سلسلہ ہے، جسے ارکان یوما کہا جاتا ہے، جو ارکان کو برما کے دوسرے علاقوں سے مکمل طور پر جدا کردیتا ہے۔

سرزمین ارکان ہزاروں سالوں سے ایک الگ تلک ریاست رہی تھی، مگر تاریخ کا یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ برطانوی سامراجیوں نے ۱۹۳۶ء میں برما کو برطانوی ہند سے علیحدہ کرتے وقت اس سرزمین

کو برما کا ایک صوبہ بنا دیا تھا۔جبکہ تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے ارکان بنگال سے ملا ہوا ایک علاقہ ہے۔

کوہ یوما، برما اور ارکان کے مابین ایک قدرتی فصیل ہے، جس نے برما سے اسے جدا کر کے ایک طبیعی اور جغرافیائی اکائی کی صورت عطا کی ہے۔اور یہ عظیم الشان پہاڑ جسے کوہ ارکان بھی کہا جاتا ہے ،نہ صرف ارکان کو برما سے جدا کرتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ پہاڑ مہا بھارت اور چین کے درمیان ایک قدرتی فصیل بھی ہے۔

اوراس کوہ یوما یا کوہ ارکان کے چار پہاڑی سلسلے ہیں جو دوڑتے اور رینگتے ہوئے جنوب کی طرف سمندر میں جا گرتے ہیں، جس کا اجمال یہ ہے:

(۱) ناف تنگ: جو حالیہ ارکان کے مغربی سرحد سے نکل کر دریائے ناف کے مغربی کنارے کنارے دوڑتا ہوا ٹیکناف تک چلا جاتا ہے،

(۲) کوہ لیمرو: جو دریائے لیمرو کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ ممبیا کے مغرب سے پکتو تک چلا جاتا ہے،

(۳) کوہ سیندنگ: جو دریائے کلاڈان اور دریائے مایو کے مابین پھیلتا ہوا مانگائی تک چلا جاتا ہے، جس میں ایک مشہور درہ ہے، جسے ''درۂ افک'' کہا جاتا ہے، اور یہ وہی درہ ہے کہ جس کے نام آتے ہی آج بھی ارکان کے مسلمان خون کے آنسو روتے اور ۱۹۴۲ء میں کئے گئے مسلمانوں کے قتل عام کی یاد تازہ کرتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ کوئی پچاس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو اس وقت درہ عبور کرنے کے دوران وحشی مگھ اور ظالم برمیوں نے شہید کر دیا تھا۔

(۴) کوہ گولنگی یا گاؤلنگی: جو دریائے ناف اور دریائے مایو کے درمیان سے رینگتا ہوا مایوٹیک تک چلا جاتا ہے، اس سلسلے میں چند مشہور درے بھی ہیں، جن میں درۂ گوفی، درۂ علی چنگ، درۂ سیندی پرانگ، درۂ ناکائنڈنگ، اور درۂ یونگ چنگ بہت مشہور درے ہیں، درۂ علی چنگ میں ایک پختہ سڑک بھی ہے، جو منگڈو کو بوسیڈنگ سے ملاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس ناہموار پہاڑی درہ کو جنرل ولی خان نے کاٹ کر راستہ بنایا تھا۔

ارکان کا ایک تاریخی نام روہانگ بھی ہے، جو حالیہ برما کے شمال مغرب میں واقع ہے، جس کی خلیج

بنگال سے ساتھ چلنے والی ۳۶۰رمیل ساحلی پٹی ہے، علاوہ ازیں اس کی بری سرحد جو ۱۷۶رمیل بشمول ۳۶۰رمیل لمبی آبی سرحد کے بنگلا دیش کے ساتھ متصل ہے، جو بنگلا دیش کے معروف علاقہ چاٹگام کو ارکان کے ساتھ ملاتی ہے۔

ارکان پہاڑوں، دریاؤں، گھنے جنگلات اور کھاریوں پر مشتمل ایک علاقہ ہے، بعض ماہرین کے مطابق کل سطح زمین کا ۷۰رفیصد حصہ جنگلات پر مشتمل ہے، ارکان کی سدا بہار پہاڑیوں میں ساگوان اور ربڑ کے علاوہ بہت سے قیمتی درخت پائے جاتے ہیں، اس ملک کا شمالی حصہ ہموار، ڈیلٹائی اور گھنی آبادی والا ہے، جبکہ جنوبی حصہ تنگ، چٹانی اور کم آبادی والا۔ پوری سرزمین میں کل سات مشہور دریا پائے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) دریائے ناف۔

(۲) دریائے کلاڈان۔

(۳) دریائے مایو۔

(۴) دریائے لیمرو۔

(۵) دریائے این۔

(۶) دریائے تنگوپ۔

(۷) دریائے سانڈوے۔

یہ ساتوں دریا عموماً گہرے اور جہاز رانی کے لئے بہت موزون ہیں۔علاوہ ازیں ان سے بڑی مقدار میں مچھلیاں شکار کی جاتیں اور موتیاں بھی نکالے جاتے ہیں۔کلاڈان ارکان کا سب سے لمبا دریا ہے، جس کا بالائی سرا کوہ ہمالہ سے شروع ہوتا اور خلیج بنگال میں جا اترتا ہے، یہ تمام کے تمام دریا ارکان میں نقل وحمل یا آمدورفت کے لئے مرکزی ذریعے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

ساحل ارکان کے قریب چند جزائر ہیں، جن میں رحمبری اور چیڈوبا سب سے بڑے اور مشہور ہیں، اور جزیرۂ رحمبری ایک تاریخی جزیرہ ہے، جو کیا کتاؤ ٹاؤن شپ سے مشرق میں چند میل دور واقع ہے، جہاں گہرے پانی میں ایک بندرگاہ بھی ہے، خلیج کے نیلے پانی میں چیڈوبا اور رحمبری دو خوشنما جزیرے

ہیں، جن کی زمینیں نہایت زرخیز بھی ہیں۔ ارکان کے آس پاس کے تمام جزائر میں عام طور پر رہنگیا مسلمانوں کی آبادیاں اکثریت پر مشتمل تھیں، لیکن مگھ برمیوں کے مظالم نے آج اقلیت بنا کر رکھ دیا ہے۔

ارکان میں کل سترہ شہر ہیں، دریائے کلاڈان کے دہانے پر واقع شہر اکیاب اس کا دارالحکومت بھی اور مرکزی بندرگاہ بھی، ارکان میں مواصلات کا نظام بڑا پسماندہ ہے، گذشتہ صدی کے آواخر تک یہاں صرف ۱۵۰ ر میل لمبی ایک بدنما سڑک پائی جاتی تھی، مگر برمی فوجی حکومت (SPDC) نے اپنی جنگی حکمت عملی کے پیش نظر برما سے ارکان کو ملانے والی ایک عام سڑک تیار کر لی تھی۔ ارکان میں کوئی ریلوے نہیں ہے، برطانوی دور میں قدیم شاہراہ ارکان کے ساتھ ساتھ حالیہ بنگلا دیش کے صوبۂ چاٹگام سے ملانے والی ایک ریلوے لائن موجود تھی، جس کی کچھ بوسیدہ نشانیاں آج بھی کہیں کہیں دیکھی جاتی ہیں۔ کوہ ارکان میں تین پہاڑی راستے ایسے بھی ہیں، جو برما کے ساتھ ارکان کا زمینی اتصال قائم کرتے ہیں، جن میں درۂ تنگوپ زیادہ مستعمل تھا، مگر آج کل درۂ این سے ایک پختہ سڑک نکالی گئی ہے، جو برما کو ارکان سے ملاتی ہے۔

سرزمین ارکان قدرتی وسائل سے پھٹا پڑا ایک علاقہ ہے، دنیا کے ترقی یافتہ علاقوں کے وسائل سے توازن کیا جائے تو ارکان کسی بھی اعتبار سے کم نہیں ہے، چونکہ یہ علاقہ مسلم اکثریتی علاقہ تھا، تو ترقی دینے کے لئے برمی غاصبوں نے چاہا نہ اور کسی کو کرنے دیا۔ حکومت برما کی ہمیشہ چاہت یہی رہی ہے کہ یہاں کے قدرتی وسائل سے مسلمان مستفید نہ ہو سکے، ہر ممکنہ طریقۂ کار کو اپناتے ہوئے حکومت یہاں کے مسلمانوں کو اپنے وطن کی دولت سے مستفید نہ ہونے دی۔ سطور بالا میں جس طرح عرض کی گئی ہے کہ ارکان کی زمین بڑی زرخیز ہے، اور ۹۶۴۲۵۷ ار ایکڑ قابل کاشت زمین میں سے ۱۸۵۴۸۲۴ ار ایکڑ زمین ہر سال کاشت میں لائی جاتی ہے، وہ بھی سال میں ایک فصل سے زیادہ نہیں ہوتی، ۱۹۸۰ء کے عشرے سے پیداواری شرح گر جانے کے باوجود یہ خطہ ایک زائد مقدار میں تقریبا دو لاکھ ٹن چاول سالانہ پیدا کرتا ہے، ساٹھ سال قبل ارکان ۴۵۰۰۰۰ ر ٹن زائد مقدار میں چاول پیدا کرتا تھا، جو دنیا کے بہت سے ملکوں کو چاول برآمد کرتا تھا۔ یہاں چاول کی کاشت روایتی طریقے سے کی جاتی ہے، اور بعض ماہرین کا اندازہ ہے کہ اگر زمین کی کاشت کے لئے جدید آلات و وسائل

استعمال کئے جائیں تو ہر سال یہاں کی زمین دس لاکھ ٹن زائد فاضل چاول پیدا کر سکتی ہے۔

سرزمین ارکان کے ۳۶۰ ر میل لمبے ساحل کے علاوہ بھی اندرون ارکان میں بھرا پڑا دریا مختلف قسم کی مچھلیوں کا مخزن ہیں، جن میں جینگا بڑی نامور مچھلی ہے۔ جدید سامان سے آراستہ ماہی گیر کشتیوں کی عدم موجودگی اور ماہی گیروں پر حکومت کی طرف سے عائد ناروا پابندیوں کی وجہ سے سالانہ پیداوار پڑوسی ملک بنگلا دیش کے مقابلے میں کہیں کم ہے۔ ارکان کے سواحل ماہی پروری کے لئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں، ماہی پروری کے بند دریائے ناف، مایو اور کلاڈان کے مدو جزر والے دہانوں پر بہترین قسم کی مچھلیاں پیدا کرتے ہیں، یہ اکثر و بیشتر بند مسلمانوں کی ملکیت میں تھے، لیکن برمی مفسد اور نسل پرست حکومت نے اکثر و بیشتر بند مسلمانوں سے چھین لئے ہیں، جس کی وجہ سے شرح پیداوار بہت کم ہوگئی ہے۔

ارکان کے سدابہار پہاڑوں کے جنگلات سے خاصی پیداوار حاصل ہوتی ہے، خشکی کا ستر فیصد

سرزمین ارکان کی تخمینی آبادی، اور یہاں پائے جانے والی ٹاؤن شپ اور ان کے مربع میل کا ایک

گوشوارہ

تعداد	ٹاؤن شپ	مربع میل	آبادی
۱	اکیاب	89.42	169090
۲	چوکپرو	672.35	12373
۳	سانڈوے	1360.16	95490
۴	بوسیدنگ	779.55	185263
۵	کیوکتاؤ	695.55	154419
۶	ممبیا	1338.46	126436
۷	گوا	885.11	50784
۸	تنگوپ	1906.62	92949
۹	پکتاؤ	413.74	104113

۱۰	مروکو	440.97	146878
۱۱	منگڈو	585.92	479798
۱۲	پوناجون	419.63	85191
۱۳	مرے بون	942.12	79360
۱۴	مینونگ	202.04	63736
۱۵	رمبری	506.73	94574
۱۶	راسیدنگ	437.76	200000
۱۷	این	2467.51	75942

علاقہ جنگلات سے پٹا ہوا ہے، جس میں بہترین عمارتی لکڑیاں پیدا ہوتی ہیں، ان میں ساگوان اور ربڑ کے علاوہ بہت سے قیمتی درخت پائے جاتے ہیں، یہ کل برمی لکڑی پیداوار کا پندرہ فیصد ہے۔ اگر ساگوان باقاعدہ سائنسی طریقے پر اگائے جائیں تو اس سے کہیں زیادہ مقدار میں برآمد کرکے ملک کو خوش حال بنایا جاسکتا ہے۔ آہنی لکڑی جو پینکاڈو کے نام سے مشہور ہے، اس خطے میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہے، بانسوں کی بھرمار ہے، ماہرین کے اندازے کے مطابق یہاں کے بانس سے بہترین قسم کے کاغذات اور دوسری چیزیں عالمی منڈیوں کے لئے تیار کی جاسکتی ہیں۔ ارکان کی اگر کسی موزون اور برمحل جگہ میں ایک کاغذ سازی کا کارخانہ ہوتا تو اس کی پیداوار چاٹگام (بنگلا دیش) کی مشہور ومعروف فکٹری ''کرنافولی پیپرمیل'' سے بڑھ جاتی۔ بعض ماہرین کے مطابق شمالی ارکان چائے اور ربڑ کی کاشت کے لئے بھی نہایت موزون علاقہ ہے، علاوہ ازیں سرزمین کے گھنے جنگلات اور پہاڑی علاقہ جات میں وحشی جانور بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ارکان میں اگرچہ گلہ بانی اور حیوانی نسل بندی کا کوئی سرکاری منصوبہ اب تک موجود نہیں ہے، تاہم تمام کسان، گائے، بھینس، بکری، مرغی، بطخ، کبوتر وغیرہ پالتو جانوروں کے طور پر رکھتے ہیں۔

بوسیدنگ شہر سے تقریبا پندرہ میل جنوب مشرق میں دریائے سیندنگ کے بالائی دہانوں پر واقع قدرتی آبشارہ جسے مقامی زبان میں ''تارانگ'' کہا جاتا ہے، ایک زبردست کام کی چیز ہے، اس

۲۲۰ رفٹ بلندی سے گرنے والا آبشارہ سے خاصی مقدار میں بجلیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ اگر سائنس دانوں کی مدد سے اس قدرتی آبشارہ سے بجلیاں پیدا کی جائیں تو یہ بہت بڑی برق آبی پلانٹ کو قوت مہیا کرسکتا ہے۔ بعض ماہرین کے مطابق اس آبشارہ کے سرے میں ایک تیل کی کان بھی موجود ہے۔ ۱۹۶۰ء میں اس وقت کی اونو حکومت نے اقوام متحدہ کے تعاون سے اس آبشارہ کی جگہ ایک برق آبی پلانٹ لگانے کا منصوبہ بنایا تھا، مگر ۱۹۶۲ء میں جنرل نیون کے اقتدار پر قبضے کے بعد فوجی حکومت نے اس منصوبے پر عمل درآمد ترک کردیا تھا۔ اس آبشارہ کے علاوہ اس علاقے میں اور بھی متعدد آبشارے پائے جاتے ہیں۔

ارکان میں قدرتی وسائل جیسا کہ کوئلہ اور مٹی کے تیل کی کانیں بڑی مقدار میں موجود ہیں۔ ساحل ارکان کے قریب پٹرولیم اور گیس بھی موجود ہے، ماضی میں یہ ساری چیزیں غیر دریافت شدہ تھیں، مگر بعد میں گیس اور پٹرولیم کی کچھ کانیں دریافت ہوگئیں یا کی گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے پڑوسی ملک بنگلا دیش اور برما کے درمیان کچھ کشیدگیاں بھی ہوگئی تھیں۔ ایک ذرائع کے مطابق ۱۹۷۰ء میں بعض جاپانی فرموں کے اشتراک سے تیل کے ذخائر تلاش کرنے کی کوشش ہوئی تھی، لیکن بعض سیاسی یا مالی وجوہات کی بنا پر برمی نسل پرست حکومت نے اس منصوبہ کو ترک کردیا تھا، رمبری اور چیڈ وبا جزائر میں خام تیل دستی طریقوں سے برآمد کیا جاتا ہے۔ اور ماہرین ارضیات کا دعوی ہے کہ راسیدنگ، جزیرۂ چیڈ وبا اور رمبری وغیرہ علاقے میں بہت سے خام تیل محفوظ ہیں۔

علاوہ ازیں لوہا، یورنیم، چونے کا پتھر، گرینائٹ، اور فلز وغیرہ اس علاقے میں بڑی مقدار میں ہے، بعض ماہرین کے انکشاف کے مطابق سب سے زیادہ ارزانی کے ساتھ دستیاب ہونے والی شئ سنگ مرمر کے ذخائر ہیں۔ بعض ذرائع کے مطابق کچھ جاپانی فرموں نے ان ذخائر کی اجازت کے بدلے علاقے میں منفعت بخش ترقیاتی منصوبوں کی پیش کش کی تھی، لیکن ان تجاویز پر سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا گیا، بلکہ یہ علاقہ چونکہ روہنگیا مسلمانوں کا علاقہ ہے، تو برمی حاسد، مفسد اور نسل پرست حکومت نے ان تجاویز کو مسترد کردیا تھا۔

ارکان کے طویل ساحلی علاقے کے علاوہ یہاں کے بعض دوسرے اندرونی دریاؤں کے کھارے

پانی سے وافر مقدار میں نمک پیدا کیا جاسکتا ہے،ابھی بھی ارکان کے مختلف مقامات میں سمندری پانی کو گڑھوں میں بند کر کے پھر اسے خشک کر لیا جاتا،جس سے بہترین قسم کے نمک تیار ہوتے ہیں۔ یہ سارے کاروبار بدون سرکاری تعاون سے کیا جاتا ہے۔منگڈو، اکیاب، سانڈوے اور تنگوپ وغیرہ علاقوں میں سمندری پانی سے بہترین قسم کے نمک پیدا کئے جاتے ہیں۔

ارکان میں ناریل کی کاشت بڑے پیمانے پر کی جاسکتی ہے،مگر ملک کے طول وعرض میں ناریل کی کاشت بہت ہی چھوٹے پیمانے میں کی جاتی ہے۔اندازہ کیا جاتا ہے کہ ناریل کی سالانہ پیداوار پندرہ لاکھ ہے، سنڈوے اور گواشہروں میں صرف ایک ایک فکٹری ہے، جہاں ناریل کے چھلکوں سے رسیاں تیار کی جاتی ہیں۔ یہاں ناریل کے تیل کی فراوانی کے باوجود اس سے دوسرے کام لینے کی کوئی بھی تیاری نہیں ہے۔

ارکان میں صنعت وحرفت کا کیا کہنا؟ بس ملک کے طول وعرض میں چاول کے چھوٹے چھوٹے چند کارخانے موجود ہیں، دراصل یہاں کے لوگوں کو اندھا بنا کر رکھا گیا ہے،صرف اور صرف ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں ایک کارٹون فکٹری موجود ہے، کیاکتو شہر میں حکومت نے ایک چھوٹی سی شکر میل کی بنیاد رکھی تھی،مگر غضب یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک شراب سازی کا کارخانہ بھی موجود۔ یہاں شکر زیادہ تر گنے سے پیدا کی جاتی ہے۔

مذکورہ ان تمام وسائل کے علاوہ مرچ، تمباکو، گنا، لوبیا، اڑوی، چنا، مونگ، ارہر، بھنڈی، تیل، پیاز، لہسن، چالیہ، توری، کدو، لوکی، اور مختلف قسم کی سیم، مونگ پھلی، ادرک، ہلدی، باجرہ، بیگن، مولی، گاجر، بندگوبی، پھول گوبی، کھیرا، ٹماٹر، آڑو، آم، کٹھل، پپیتا، لیچی، آلو، مکی، تربوز، کیلا، امرود، انناس، آنار، سنترہ، سرد، شریفہ، کاجو، خربوزہ، ترنجین اور رس بھری وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔اور یہ ساری چیزیں روایتی طریقے پر کسی بھی سرکاری تعاون کے بغیر پیدا کی جاتی ہیں۔اگر انہیں سائنسی طریقے پر پیدا کیا جائے تو دوسرے ملکوں کو خاصی مقدار میں برآمد کیا جاسکتا ہے،مگر غضب یہی ہے کہ یہاں سرکاری تعاون تو کجا بلکہ شرپسند حکومت کسانوں پر ایک زبردست پابندیوں کے ذریعے ان کی نیند حرام کر رکھی ہے،جس کی وجہ سے زراعت ویران ہوتی گئی اور اب بھی ہوتی جارہی ہے۔

یہ تو معلوم ہے کہ یہاں حیوانی نسل بندی کا کوئی بھی سرکاری منصوبہ بندی نہیں ہے،مگر علاقے میں وحشی اور جنگلی جانوروں کا بھرمار ہے۔جن میں شیر، ہاتھی، ارنا، بھینسا، بارہ سنگھا، سانبھر، طوطا، ہرن، سور، ریچھ، بھیڑیا، جنگلی بکری، مختلف قسم کے بندر، چرخ، لومڑی، بھانت بھانت کے سانپ، ازدھا، مینا، مور، فاختہ، چیل، کوا، الو، جنگلی کتا، جنگلی مرغ، اور تیتر وغیرہ پایا جاتا ہے۔علاوہ ازیں شہد کی مکھیوں کا کیا کہنا، کہ ارکان کے سارے جنگلات عمدہ قسم کی مکھیوں سے بھرے پڑے ہیں۔

ارکان موسم کے حوالے سے مدارینی (TROPICAL) آب وہوا کا علاقہ ہے، سالانہ اوسطا ۲۰۰/انچ کی بارش ہوتی ہے، ساحلی علاقوں کے مقابلے میں پہاڑی علاقوں میں حرارت اور سردی کچھ زیادہ ہے، یہاں کے تمام موسم یہاں کے اصلی باشندوں کے لئے بڑے موزون ہیں۔



مولانا مشتاق احمد صاحب ندویؒ سانگری بیلی، بوسیدنگی:

ارکان کے جلیل القدر عالم دین، مفسر ومحدث، فقیہ وادیب حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب ندوی بن نور العالم بن عبد الرشید چوہدری کی ولادت ۱۹۱۶ء میں مشرقی بوسیدنگ کی معروف بستی سانگری بیل میں ہوئی، آپ کے والد بڑے دین دار اور عالم دوست انسان تھے، اور دادا جناب مرحوم عبد الرشید چوہدری سانگری بیلی ایک بڑے زمیندار ہونے کے علاوہ اپنے علاقے کے مکھیا تھے، ایک باوثوق روایت کے مطابق رواسوگری صاحب کے پاس بہت سارے ہتھیار تھے، جوانہوں نے ۱۹۴۸ء کے دوران سرزمین ارکان کے عظیم مرد مجاہد فی سبیل اللہ شہید اعظم عبد الرشید دابوی کا حوالہ کیا، یوں اللہ تعالی کی امداد ونصرت اور ان ہتھیاروں کے سہارے مجاہدین کو سرخروئی نصیب ہوئی تھی۔

سانگری بیل والے چوہدری خاندان اور تمنگ چونگ والے چوہدری خاندان اصل میں دونوں ایک ہی خاندان کی دوشاخیں ہیں، جیسے کہ تمنگ والے چوہدری جناب مرحوم ابو الباصر صاحب جناب عبد الرشید چوہدری سانگری بیلی کا بھتیجہ تھے، ایک روایت کے مطابق ان دونوں خاندان کا پرانا تعلق ارکان کے تاریخی دار الحکومت پتھری قلعہ سے تھا، کہا جاتا ہے کہ ۱۷۸۴ء میں ارکان پر برمی راجا بودوپھیا کے قبضہ کے دوران ان خاندانوں نے نقل مکانی کر کے شمالی مغربی ارکان میں رہائش اختیار کر لی تھی۔

حضرت مولانا مشتاق احمد ندوی کی ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے مکتب میں ہوئی، اس کے بعد علاقے کے دیگر دینی مدارس سے درجۂ ثانویہ تک کی تعلیم پا کر ہندوستان کا سفر کیا، اور دار العلوم ندوۃ العلماء یوپی انڈیا میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے چند سال تعلیم پا کر تقریبا ۱۹۴۰ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

فراغت کے معا بعد آپ وطن واپس آئے، اور علاقے کے مدارس میں تعلیم دیتے رہے، تدریس کے حوالے سے آپ نے یہاں جن مدارس میں تعلیم دی تھی، ان میں مدرسہ معین الاسلام تمنگ چونگ قابلِ ذکر ہے۔ پھر ۱۹۵۳ء میں آپ نے سرزمین ارکان کے نامور ترین بزرگ عالم دین حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پکتلوی اور حضرت مولانا مفتی ابو الفضل صاحب لمبابیلی سے مل کر بوسیدنگ ٹاؤن میں جامعہ اسلامیہ عالیہ کی تاسیس کی، جہاں آپ نے ۱۹۶۴ء تک مسلسل تعلیم دی تھی۔ ۱۹۶۴ء

میں آپ نے وطن سے ہجرت کی، اس ہجرت کے حوالے سے آپ کی اہلیہ کا بیان یوں سامنے آیا کہ:

''مولانا ندوی مچھلی کے اچھے خاصے شکاری تھے، ایک دن آپ مچھلی شکار کو گئے، آپ کو دیگر مچھلیوں کے ساتھ ایک بڑا جھینگا بھی ملا، واپسی پر ان کا سامنا ایک مگھ یا برمی فوجی سے ہوا، جس نے ان سے بزور بازو جھینگا چھین لیا، اس واقعہ کے بعد سے آپ خاصے بے چین سے رہے، بالآخر انہوں نے وطن سے ہجرت کی ٹھان لی، اور ۱۹۶۴ء میں مع اہل خانہ مشرقی پاکستان (بنگلا دیش) چلے آئے''۔

دورانِ ہجرت آپ نے اپنے داماد مولانا محمد سلیمان صاحب مظاہری سے قسما قسمی طے کر لی تھی کہ وہ بھی مع اپنے اہل وعیال ہجرت کریں گے، ویسے مولانا ندوی تقریبا ایک سال تک مشرقی پاکستان میں انتظار کرتے رہے، بالآخر یہ متحقق ہونے پر کہ مولانا مظاہری وطن سے ہجرت کرنا نہیں چاہتے ہیں، یوں مولانا ندوی مع اہل وعیال ۱۹۶۵ء میں مغربی پاکستان کو کوچ کر گئے، اور کراچی میں مقیم ہو گئے۔

کراچی میں آپ کی تقریبا گیارہ سال اقامت رہی، اس دوران آپ نے جامعہ اشرفیہ کراچی میں تعلیم دینے کے ساتھ ہی ساتھ جامع مسجد کی امامت اور خطابت کا فریضہ انجام دیا، اس کے بعد آپ مع اہل خانہ ۱۹۷۶ء میں حجازِ مقدس پہنچے، اور سرزمینِ مقدس مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر ہو گئے، یہاں آپ کی وفات ہوئی۔

باوثوق ذرائع سے پتہ چلا کہ مکہ مکرمہ کے حارۃ البلدیہ والے محلہ چاؤ پرنگ کی جامع مسجد کی تاسیس آپ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی، آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس کی تعمیر وترقی کے لئے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں، راقم سطور کو بارہا اس مسجد میں نماز ادا کی توفیق ہوئی، ماشاء اللہ بڑی بارونق مسجد ہے، اللہ تعالی حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی اس محنت کو شرف قبولیت بخشے اور اس کے صلے میں درجات بلند فرمائے۔

بعد میں آپ مکہ مکرمہ کی معروف بستی ''ترکی اڈہ'' منتقل ہو گئے، لیکن بعض باوثوق ذرائع سے پتہ چلا کہ آپ تقریبا روزانہ حارۃ البلدیہ والی اپنی تاسیس کردہ اس مسجد میں بطور خاص عصر کی نماز ادا کرنے پیدل جایا کرتے، اور نماز کی ادائیگی کے بعد پیدل واپس جاتے تھے، راستے میں کوئی جان

پہنچان گاڑی والے آپ کو گاڑی پر بٹھانا چاہتے تو شکریہ کے ساتھ معذرت کرتے تھے۔ مولوی محمد اکرام سلیمان صاحب کا بیان ہے کہ:

''نانا صاحب حضرت مولانا مشتاق احمد ندوی کا تقریباً سینتیس (۳۷) سال مکہ مکرمہ میں قیام رہا، اس دوران پانچویں اوقات کی نمازیں اپنے محلے کی مسجد یا حرم پاک یا دیگر کسی مسجد میں ادا کرتے رہے، لیکن نماز جمعہ ہر حال میں مسجد حرام میں ادا کرتے تھے، آپ کے چند ایسے ساتھی تھے، جو دس بجے حرم مقدس پہنچتے اور آپ کے لئے جائے نماز (مصلی) بچا دیا کرتے تھے''۔

مولانا سے واقف بعض علماء کا بیان ہے کہ مولانا بڑے بلند پایہ کے عالم دین، مفسر قرآن، محدث، فقیہ اور ادیب انسان تھے، حسنِ اخلاق کے ساتھ خطاط اور خوش نویس بھی، اردو، عربی، فارسی اور انگریزی بہت خوب لکھتے تھے، چنانچہ اس حوالے سے ایک واقعہ سامنے آیا کہ:

''مولانا محمد صالح صاحب یونگ چونگی ؒ کو ایک لفظ ''مخوف'' کے مطلب سمجھنے میں کچھ مشکل پیش آئی تو آپ کی نظر سیدھی مولانا ندوی پر جا ٹکی، اس لفظ کی تحقیق کے لئے مولانا صالح صاحب یونگ چنگ سے بذریعۂ کشتی پوچھٹے نکلے اور بوسیدنگ تشریف لائے، ویسے صبح سویرے مولانا کو دیکھ کر ندوی صاحب حیرت میں تھے، اور پوچھا کہ مولانا اتنے صبح سویرے یوں آپ کا تشریف لانا کیسا؟ جواب میں فرمایا کہ ندوی صاحب! مجھے لفظ مخوف کے مطلب سمجھنے میں دقت سی محسوس ہوئی تو آپ کے پاس آیا ہوں، تو مولانا ندوی نے ایک بند پڑھا کہ:

فلا ترحلن بلا عدة فان الطريق مخوف مخوف

اب مولانا صالح صاحب کو اس لفظ کا مطلب سمجھ میں آ گیا، اور واپس جانے لگے تو مولانا ندوی نے فرمایا کہ مولانا آپ اتنی دور سے آئے ہوئے ہیں، کچھ مجھے تواضع تو کرنے دیں! لیکن مولانا صالح صاحب نے جاتے ہوئے فرمایا کہ مولانا! میں صرف اور صرف طلب علم کی خاطر آیا ہوں، اس میں ملاوٹ کی کوئی

گنجائش نہیں ہے''۔

کون نہیں جانتا کہ علمائے ارکان تقلید و فقہ کے حوالے سے احناف کے سخت پیروکار ہیں، ویسے حضرت مولانا مشتاق احمد ندوی صاحب بھی تقلید و فقہ میں احناف کے پیروکار تھے، اس باب میں ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے، اس حوالے سے آپ کا نواسہ عزیزم مولوی محمد اکرام صاحب کا بیان ہے کہ:

''نانا صاحب حضرت مولانا مشتاق احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے حوالے سے احناف کے پیروکار تھے، کبھی کبھار میں اہل حدیث کا روپ دھار کر بعض مسائل میں آپ سے اختلاف کرتا تھا، تو نانا صاحب احناف کے حق میں ایسے ایسے دلائل پیش کرتے کہ جن سے میں دھنگ رہ جاتا تھا، اور تعجب ہوتا تھا کہ بڑھاپے کے اس عالم میں بھی آپ کا حافظہ کتنا ہی مضبوط تھا، بالآخر مجھے ان کے سامنے ہار ماننا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں آپ بلند پایہ کے عالم دین، صبر و ثبات کے پیکر، اور توکل و عزیمت کے کوہِ گراں تھے''۔

حضرت مولانا ندوی نے فراغت تعلیم کے معا بعد اپنے ہی خاندان کی ایک شریف خاتون محترمہ کلثوم تمنگ چونگی سے شادی کی، اللہ تعالی نے آپ کی اولاد میں قدرے برکت دی، اور ان کے بطن سے پانچ اولادیں پیدا ہوئیں، جن کا اجمالی تعارف یہ ہے:

(۱) محمد زبیر مرحوم: یہ مولانا کا بڑا صاحب زادہ تھا، ایک روایت کے مطابق نفسیاتی مریض تھا، جب کہ دوسری ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کی بعض حرکات وسکنات سے یوں لگتا تھا کہ کہیں وہ مجذوب قسم کا انسان تو نہیں تھا؟

(۲) حافظ محمد فرقان: یہ حضرت مولانا کا دوسرا صاحب زادہ ہے، جو جید حافظ القرآن ہونے کے علاوہ بڑے دین دار اور انسان دوست ہے، تادم تحریر مکہ مکرمہ میں مقیم ہے۔

(۳) حافظ محمد نعمان: یہ حضرت مولانا کا تیسرا صاحب زادہ ہے، وہ بھی جید حافظ القرآن ہونے کے علاوہ پرہیزگار انسان ہے، حالیا مکہ مکرمہ میں مقیم ہے۔

(۴) فاطمہ خاتون: مولانا ندوی کی یہ صاحب زادی اچھی خاصی پڑھی لکھی ہونے کے علاوہ

بڑی نیک سیرت اور عالم دوست خاتون ہیں، ان کی شادی وخانہ آبادی ہمارے شفیق مربی اور استاد حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب مظاہری تمنگ چونکی سے ہوئی، جو برادر محترم محمود الحسن صاحب اور عزیزم مولوی محمد اکرام وغیرہ کی والدۂ محترمہ ہیں، برما کے دارالحکومت رنگون میں مقیم ہیں، اللہ تعالی ان کی حیات میں برکت دیں، آمین۔

(۵) عارفہ خاتون: یہ مولانا کی چھوٹی صاحب زادی ہیں، آج کل کراچی پاکستان میں مقیم ہے۔

اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر عالم باعمل، صاحب صورت وسیرت، بڑے غیور، متوکل علی اللہ، اور صبر ثبات کے پیکر انسان تھے، انہوں نے اپنی حیات مستعار میں ملت وقوم کی کافی خدمات کیں اور پچاسی سال کی عمر طبیعی پا کر سرزمینِ مقدس مکہ مکرمہ میں ۲۰۰۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور جنت المعلی میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاکِ طینت را۔

مولانا افلاطون صاحب ندویؒ، منگڈوی:

جلیل القدر عالم دین اور نامور معلم و مصلح و متکلم حضرت مولانا افلاطون صاحب ندوی منگڈو ارکان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں پاکر اعلی دینی تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں چند سال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد وطن واپس آئے اور مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے۔

مولانا افلاطون ندوی نے شمالی منگڈو کی مردم خیز بستی نائن چنگ میں ایک مدرسہ کی بنیا درکھی تھی، جس میں آپ کے ساتھ مولانا محمد سکندر ندوی صاحب بھی پڑھایا کرتے تھے، لیکن چند سال کے بعد ان کا یہ مدرسہ ایک حادثہ کا شکار ہو گیا تھا، مولانا کے متعلق ان کے ایک شاگرد جناب غلام احمد چوہدری نے راقم سے یوں کہا کہ:

”ہمارے استاد حضرت علامہ جناب مولانا افلاطون ندوی صاحب ایک جلیل القدر عالم دین اور مایۂ ناز معلم و مدرس تھے، نحو، صرف، بلاغت، ادب، فلسفہ و منطق میں کافی درک رکھنے کے علاوہ تفسیر قرآن کریم اور حدیث وعلوم حدیث میں بھی ید طولی رکھتے تھے، مولانا کی تدریس بڑی دیدنی تھی، جس نے بھی مولانا سے کسی فن کی ایک کتاب پڑھی ہو وہ اس فن کا ماہر ہو گیا تھا، آپ بڑے ادیب اور انشاء پرداز تھے، انداز بیان بڑا شوخ اور طرز گفتگو بڑا نرالا تھا، آپ نہایت نستعلیقی کیفیت کے بزرگ تھے، ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر بھی آپ کی خاصی نظر تھی، اللہ تعالی آپ کے درجات بلند فرمائے“۔

مولانا افلاطون ندوی ایک مفکر، مورخ اور اور قابل قدر مصلح و متکلم تھے، آپ حضرت مولانا عبد الجبار صاحب معروف بہ فقیر مولوی صاحب سعد اللہ سری کے ہم عصروں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ:

”بمقام نائن چنگ، منگڈو ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت مولانا عبد الجبار معروف بہ فقیر مولوی صاحب حالت جذب میں مولانا افلاطون ندوی صاحب سے کچھ بظاہر نازیبا بات کی تو مولانا ندوی نے فقیر صاحب پر ہاتھ اٹھایا، جس کے

جواب میں فقیر صاحب نے کچھ بددعا دی، کہتے ہیں کہ اس کے چند دن بعد حالت ایسی پیدا ہوگئی کہ نہ صرف مولانا ندوی کو اس مدرسہ سے ہاتھ دھونا پڑا، بلکہ ان کے جانے کے بعد یہ مدرسہ بھی تباہ ہوگیا تھا، یادرہے کہ اس مدرسہ میں مولانا ندوی کے ساتھ حضرت مولانا سکندر ندوی تمنگ چنگی بھی پڑھایا کرتے تھے، جن کا تذکرہ اگلی سطور میں آرہا ہے، اگر چاہے خدا کرے''۔

مولانا افلاطون ندوی نے اپنے وطن میں دین اور علم دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دیتے ہوئے آخرکار داعی اجل کو لبیک کہا اور خاک ارکان میں مدفون ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا محمد سکندر صاحب ندوی تمنگ چنگی، بوسیدنگیؒ:

حضرت مولانا محمد سکندر ندوی کی پیدائش شمالی مغربی بوسیدنگ کی بستی تمنگ چنگ میں ہوئی، آپ زمیندار خاندان کے چشم و چراغ تھے، ویسے آپ کا بچپن اور نشوونما بڑی شان وشوکت سے ہوا تھا، کہتے ہیں کہ آپ کے والد علاقے کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے، اور تھے بڑے زمیندار اور سخاوت پسند، ہر حالت میں غریبوں، مسکینوں اور بےکسوں کے کام آتے تھے۔

مولانا سکندر ندوی نے ابتدائی تعلیم علاقے کے مختلف مدارس میں پاکر اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں چندسال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد وطن واپس آئے اور عرصۂ دراز تک مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ (جس کا بانی حضرت مولانا مفضل احمد صاحب کجافوی/علی چنگی تھے) میں بلا معاوضہ پڑھاتے رہے تھے، جس کی وجہ سے علماء اور دانشوروں کے علاوہ عوام میں بھی آپ کی قیمت وقدر میں کافی اضافہ ہوا تھا۔

مولانا سکندر ندوی صاحب کے صاحب زادوں میں مولانا محمد اقبال صاحب ماشاءاللہ قابل قدر عالم دین اور داعی الی اللہ ہیں، مولانا محمد اقبال صاحب میرے براہ راست استاد تونہیں لیکن میرے اساتذۂ کرام کے دوست اور ہم جھولی ہیں، انہوں نے درس وتدریس کے علاوہ دعوت دین کے حوالے سے ملت وقوم کی بڑی خدمات کی ہیں، ارکان برما کے طول وعرض کے علاوہ دیگر چندملکوں کا بھی دعوت دین کی خاطر سفر کیا ہے، جن میں سعودی عرب قابل تذکرہ ہے۔

مولانا محمد سکندر ندوی صاحب کے اور ایک صاحب زادہ جدہ سعودی عرب میں مقیم ہیں، عرصۂ دراز تک روزانہ ایک نہ ایک مرتبہ مسجد میں ان سے ملاقات ہوتی رہی تھی، جن سے مولانا کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا، محمد یوسف نام ہے، بڑے بااخلاق اور صوم وصلاۃ کے پابند دانشور ہیں۔

بہرحال مولانا محمد سکندر ندوی صاحب ایک جید عالم دین، مفسر، محدث اور ادیب ہونے کے ساتھ ایک نستعلیقی کیفیت کے بزرگ دانشور بھی تھے، آپ نے اپنی زندگی میں مختلف مدارس میں خدمات انجام دے کر بالآخر اپنی بستی میں انتقال کیا اور بستی کی قبرستان میں مدفون ہیں، اللہ تعالی آپ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

مولانا محمد انور صاحب ندویؒ دھودائنگی ،منگڈوی:

قابل قدر مفکر اور ذہن رسا کے مالک مورخ عالم دین حضرت مولانا محمد انور صاحب ندوی کی پیدائش شمالی منگڈو کی بستی دھودائنگ میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم علاقے میں پا کر دارالعلوم ندوۃ العلماء جاداخل ہوئے، اور یہاں چندسال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

مولانا محمد انور صاحب ندوی سے راقم کی ملاقاتیں رہیں، بڑی خوب صورت اور نیک سیرت انسان تھے، جبھی ان سے ملاقات ہوتی مجھے کسی نہ کسی اعتبار سے فائدہ ہوتا تھا، بچپن میں یوں تو میں نے ندوے کے متعلق خاندان اور علاقے کے بعض بزرگوں سے بہت کچھ سن رکھا تھا، جن میں حکیم محمد صدیق مرحوم نائن چنگی نا قابل فراموش ہیں، لیکن ندوے کے حوالے سے جو باتیں مولانا محمد انور ندوی سے سنی تھیں وہ بہت قیمتی اور کام کی تھیں، سچ تو یہ ہے کہ مولانا سے سنی ہوئی باتیں میرے دل میں جاگزیں ہو چکی تھیں، جو آگے چل کر میرے ندوے جانے کا باعث بنی تھیں، اللہ تعالی مولانا کو جزائے خیر دے۔

مولانا محمد انور ندوی کے بیان کے مطابق آپ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ہم سبق تھے، حضرت مولانا ندوی کے رنگون کے سفر کے دوران مولانا محمد انور ندوی رنگون میں تھے، وہاں حضرت مولانا ندوی سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی، اور حضرت مولانا نے آپ کو اپنی گرانمایہ تصنیف ''حیات عبدالحیؒ'' ہدیہ میں دی تھی، جو مجھے آپ نے دی اور پڑھی تھی۔

شک نہیں ہے کہ مولانا محمد انور ندوی ایک جلیل القدر عالم دین اور مایۂ ناز ادیب تھے، ندوے سے وطن واپسی کے بعد مولانا ندوی صاحب نے برما کا طول طویل سفر کیا اور دار الحکومت رنگون میں چندسال گزارے تھے، جہاں آپ نے اپنی دیگر خدمات کے ساتھ ''دار المولفین رنگون'' کے نام سے شہر رنگون میں ایک ادارہ قائم کیا تھا، لیکن نیون حکومت نے اسے چلنے نہیں دیا، اس کے بعد آپ ارکان چلے آئے اور نائن چنگ والے چوہدری خاندان کی ایک خاتون سے شادی کی، اس کے بعد عرصۂ دراز تک دینی اور فکری کاموں میں مشغول رہ کر انتقال کیا اور خاک نائن چنگ میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا رشید احمد صاحب ندویؒ اکیابی:

حضرت مولانا قاضی رشید احمد صاحب ندوی کی ولادت ۱۵/جنوری/۱۹۲۶ء میں ارکان کے دار الحکومت اکیاب کی بستی قصائی فارہ میں ہوئی، آپ کے والد کا نام قاضی ابوبکر تھا، جو ایک بڑے عالم دین اور زندہ دل بزرگ تھے، قاضی صاحب برطانوی دور حکومت میں منصب قضا پر فائز تھے۔

مولانا رشید احمد صاحب ندوی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ اکیاب میں ہوئی، ابھی آپ کی عمر دس کی تھی کہ آپ نے اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، ندوے میں مسلسل دس سال پڑھ کر ۱۹۴۶ء میں سند فراغت حاصل کی۔

مولانا رشید احمد ندوی صاحب فراغت تعلیم کے بعد وطن واپس آئے اور اکیاب کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے، ظالم برمی حکومت اور اس کے لالے پالے غنڈوں نے آپ کا یہاں جینا حرام کر دیا تو آپ نے ہجرت کی اور ۱۹۶۴ء میں مغربی پاکستان کے شہر کراچی جا مقیم ہوئے تھے۔

مولانا رشید احمد ندوی نے دار العلوم کراچی میں چند سال مدرسی کی، اس کے بعد مسجد نور ۳۶/بی، لانڈی کراچی کے استاد رہے، بعد ازاں آپ نے ۳۶/زمان آباد لانڈی میں ندوۃ العلماء کے طرز پر ''المدرسۃ العربیۃ الدینیۃ'' کے نام پر ایک دینی مدرسہ قائم کیا، جس کے آپ تا حیات مہتمم رہے تھے، بہر حال سرزمین ارکان کے اس عالی مقام غیور عالم دین نے اپنی مستعار زندگی میں ملت وقوم کی بہت ساری خدمات انجام دے کر ۱۱/اپریل/۲۰۰۱ء میں انتقال کیا اور اسماعیل گوٹھ کی قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے لواحقین میں سات صاحب زادے اور آٹھ صاحب زادیاں ہیں، جن میں سے راشد بن حضرت مولانا رشید احمد ندوی سے میرا مراسم تھا، اللہ تعاان سب کی حیات دراز کرے۔

مولانا رشید احمد ندوی کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا، شک نہیں ہے کہ آپ ایک جلیل القدر عالم دین اور مفکر انسان تھے، رہتی زندگی میں آپ نے علم دین اور طلبائے دینیہ کی قابل قدر خدمات کیں، جن سے قوم وملت کا گرانقدر فائدے ہوئے تھے، اللہ تعال آپ کا مرتبہ بلند فرمائے۔

مولانا محمد امین صاحب ندویؒ غلبنیہ وی، منگڈ وی:

صدیق مکرم مولانا محمد امین صاحب ندوی کی پیدائش جنوبی منگڈ وکی معروف اور مردم خیز بستی غلبنیہ میں ہوئی، بچپن ہی میں اپنے والدین کے ساتھ ترکِ وطن کرکے متحدہ عرب امارات میں جا مقیم ہوئے، وہیں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی، اس کے بعد حصول تعلیم کے لئے بنگلا دیش آئے اور جامعہ اسلامیہ ضمیر یہ پٹیہ، چاٹگام میں چندسال پڑھ کر ہندوستان پہنچے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کلیہ اور ماجستر کرکے سند فراغت حاصل کی۔

دوران تعلیم مولانا محمد امین ندوی رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کے سرکردہ وسرگرم عمل لیڈر رہے، اس میں رہ کر آپ نے روہنگیا طلباء کی قابل قدر اور ناقابل فراموش خدمات انجام دی تھیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ندوی صاحب متحدہ عرب امارات میں جاکر قوم وملت کی بڑی بڑی خدمات انجام دیتے رہے تھے، مولانا موصوف بحیثیت ایک جلیل القدر عالم دین اور ذہن رساء کے مالک دانشور، اسلامی مفکر، قومی وبین الاقوامی سطح کے سیاست دان اور قابل قدر مؤلف ومصنف ہونے کے ہماری علمی، فکری، سیاسی، ثقافتی اور سماجی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں ہیں، مختلف خطابات کے علی الرغم آپ کے جاندار اور شاندار قلم سے آج تک لاتعداد رسالے اور مقالات منظر عام پر آچکے ہیں، اور چند گرانمایہ تصانیف منظر عام پر آکر کافی مقبول بھی ہوئی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔تاریخ ارکان کا ایک گمشدہ باب: مولانا نے تاریخ ارکان کے حوالے سے اس میں دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے، شک نہیں ہے کہ آپ کی یہ مایۂ ناز تصنیف ارکان اور وہاں کی مسلم تاریخ کے حوالے سے ام المصادر کا درجہ رکھتی ہے، میرے خیال میں روہنگیا مسلمانوں کی اگلی نسلیں ہمیشہ اس کتاب کی محتاج رہیں گی۔

۲۔مولانا کی دوسری ضخیم تصنیف ''حیات میر'' بھی ایک قابل قدر اور گنج گرانمایہ ہے، میرے خیال میں اس کتاب کو تصنیف کرکے مولانا نے خود پر بھی اور روہنگیا قوم کی اگلی نسلوں پر بھی بھاری احسان کیا ہے۔

مولانا محمد امین ندوی صاحب پروفیسر ڈاکٹر مولانا ابورضا محمد نظام الدین صاحب ایم پی کے قریبی دوستوں اور ساتھیوں میں سے ہیں، آپ آج کل انٹرنیشنل اسلامی یونیورسیٹی چاٹگام بنگلا دیش کے پروفیسر اور خادم ہیں، اللہ تعالی آپ کی حیات اور صحت میں برکت دے۔ آمین۔

مولوی نور الہدی صاحب ندویؒ غلبنیہ وی، منگڈ وی:

صدیق مکرم مولوی نور الہدی بن مولانا فیاض احمد کی پیدائش غلبنیہ منگڈ و میں ہوئی، لڑکپن میں والدین کے ساتھ پہلے متحدہ عرب امارات پھر سعودی عرب پہنچے، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم وہیں پاکر بنگلا دیش آئے اور جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں جماعتِ اولی تک تعلیم پائی، اس کے بعد ہندوستان کا سفر کیا، اور دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث پڑھ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، یہاں مسلسل دو سال پڑھ کر ۱۹۹۱ء میں کلیۃ الادب العربی سے سند فراغت حاصل کی، یادرہے کہ مولوی نور الہدی صاحب طالب علمی کے زمانے میں ''رابطۃ الطلاب الروہانجیین'' کے لیڈر رہے، اس تنظیم کی قیادت کرتے ہوئے اس وقت ہندوستان میں زیر تعلیم روہنگیا طلباء کی بھر پور خدمت کی تھی، اللہ تعالی جزائے خیر دے۔

فراغت کے معا بعد مولوی صاحب بنگلا دیش آئے، یہاں دو مہینے گزار کر والدین کے یہاں جدہ پہنچے، ابھی آپ وہاں پہنچے دو چار دن بھی گزرنے نہیں پائے کہ آپ کی شادی خانہ آبادی کی تیاری مکمل ہوگئی۔ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا کہ رات سونے کی بستر پر کسی کی بھی بے خبری کے عالم میں آپ کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نور الہدی صاحب ندوی کو بنگلا دیشی سرحد میں رہ کر ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی نجات کے لئے کام کرنے کا بہت ہی شوق تھا، اس حوالے سے آپ نے بار ہا مجھ ناچیز سے تذکرہ کرتا رہا تھا، ایک دن کہنے لگے کہ ''میں بعض ضرورت کی بنیاد پر سعودی عرب جارہا ہوں، انشاء اللہ بہت قریبی مدت میں واپس لوٹوں گا'' واپس تو آئے نہیں بلکہ افسوس دنیا سے ہی چلے گئے۔

مولانا ایک باشعور، حساس اور بڑے باخبر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک انسان تھے، رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین ارکان برما کے سرکردہ لیڈر رہ چکے تھے، اس پلیٹ فارم سے ہندوستان میں بھی آپ نے ارکانی طلباء کی کافی خدمات انجام دی تھیں، آپ راقم کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، قومی امور کے حوالے سے آپ کے ساتھ متعدد مرتبہ سفر کا موقع ملا تھا، بڑے با اخلاق، ہنس مکھ اور سنجیدہ اور فعال انسان تھے، اللہ تعالی آپ اور آپ کے والدین کی مغفرت فرمائے، آمین۔

مولانا حافظ عتیق الرحمن صاحب ندوی کوانچی بنگی، منگڈ ویؒ:

صدیق مکرم مولانا حافظ عتیق الرحمن صاحب ندوی کی پیدائش ۱۹۶۰ء میں شمالی منگڈ و کی بنگلا دیش ارکان سرحدی بستی کوانچی بنگ میں ہوئی، آپ کے والد نہایت دین دار اور پرہیزگ بزرگ تھے اور والدہ محترمہ بھی نہایت پاک سیرت واعلی صفات کی خاتون تھی، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے۔

مولانا عتیق الرحمن صاحب نے تحفیظ القرآن الکریم کے ساتھ ابتدائی اور متوسطہ کی دینی تعلیم بستی کے مدرسہ میں پاکر دارالعلوم میانجاپور میں داخلہ لیا، وہیں چند سال پڑھ کراعلی دینی تعلیم کے حصول کے لئے بنگلا دیش گئے اور مدرسہ معین الاسلام ہاٹھزاری چاٹگام میں دوایک سال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

مولانا عتیق الرحمن صاحب مدرسہ معین الاسلام ہاٹھزاری سے فراغت کے بعد وطن واپس آکر مختلف مدارس میں تعلیم دیتے رہے تھے، آپ نے جہاں بھی تعلیم دی وہاں آپ کو کافی پذیرائی ملی تھی، پھر اس کے چند سال بعد آپ کو مزید تعلیم کا شوق ہوا تو گھر بار اور درس وتدریس کو چھوڑ کر ہندوستان کے لئے نکلے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء جا داخل ہوئے، یہاں کلیۃ اللغۃ العربیہ میں دوسال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، ساتھ ہی ساتھ ایک خاص استاد سے پڑھ کر انگریزی میں بھی کافی عبور حاصل کرلیا تھا۔

ندوے سے واپسی کے بعد مولانا عتیق الرحمن صاحب ندوی اپنے علاقے کے مختلف مدارس میں چند سال پڑھاتے رہے تھے، لیکن افسوس ہے کہ آپ پر مگھ برمی ظالموں کی بری نظریں لگ گئی تھیں، ویسے آپ کے لئے ارکان کی زمین تنگ ہوگئی تو آپ نے مع اہل وعیال ترک وطن کر کے بنگلا دیش میں پناہ لی، ترک وطن کے بعد آپ علاقۂ چاٹگام کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے، اور جہاں بھی گئے آپ کی بڑی پذیرائی ہوئی تھی، ماشاء اللہ آپ بڑے ہنس مکھ اور ملنسار انسان تھے، طلباء تو طلباء مدارس کے اساتذہ بھی آپ پر کافی فدا ہوتے تھے۔

مولانا عتیق الرحمن صاحب ندوی ایک جید حافظ القرآن ہونے کے ساتھ ایک بڑے پائے کے عالم دین بھی تھے، تفسیر وحدیث، بلاغت وادب، نحو وصرف اور منطق وفلسفہ کے علاوہ فقہ وفتاوی میں ید طولی رکھتے تھے، علاوہ ازیں ایک مبصر دانش ور بھی، آپ نے ۲۰۲۱ء میں مہیش خالی میں انتقال کیا اور وہیں آسودۂ خاک ہیں، اللہ تعالی آپ کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا حافظ عبدالسلام صاحب ندوی کونچی بنگی، منگڈ ویؒ:

مولانا حافظ عبدالسلام صاحب کی پیدائش ۱۹۶۲ء میں شمالی منگڈ و کی بستی کونچی بنگ میں ہوئی، تحفیظ القرآن الکریم کے ساتھ ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مدرسہ میں پاکر جامعہ اسلامیہ ضمیریہ پٹیہ میں داخلہ لیا، جہاں سے آپ نے دورہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد ہندوستان گئے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دوسال پڑھ کر کلیۃ الادب العربی سے بھی سند حاصل کی۔

شاید حافظ صاحب زمیندار یا باثروت گھرانے کے چشم وچراغ رہے ہوں، ماشاء اللہ آپ کی تعلیمی زندگی بڑی شان وشوکت سے گزری، کافی سخی اور فراغ دل تھے، خود بھی کھاتے پیتے اور دوسروں کو بھی کھلا یا پلا یا کرتے تھے، میں نے آپ کے چہرے میں کبھی بھی کسی قسم کی الجھن نہیں دیکھی، بڑے ہنس مکھ اور کافی ملنسار مدبر قسم کے انسان تھے، بولتے تو دل کھول کر بولتے ورنہ خاموش رہتے تھے، آپ کی خاموشی میں بھی شاید ڈھیر سارے راز چھپے ہوئے رہتے تھے۔

دوران تعلیم مولانا عبد السلام ندوی ہماری ایک معروف طلبہ تنظیم "رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین" کے سرگرم لیڈر رہے، اس پلٹ فارم سے آپ نے پاکستان کا بھی دورہ کیا تھا، ویسے آپ نے روہنگیا طلباء کی قابل قدر خدمات کی تھیں، اللہ تعالی آپ کو جزائے خیر دے، آمین۔

فراغت کے بعد مولانا عبدالسلام صاحب ندوی متحدہ عرب امارات پہنچے اور وہیں مختلف مساجد کی امامت اور خطابت کے فریضے انجام دیتے رہے تھے، آپ مولانا نورالہدی ندوی اور مولانا محمد امین ندوی اور راقم سطور کے بھی قریبی ساتھیوں میں سے تھے، علاوہ ازیں مولانا حافظ عتیق الرحمن صاحب ندوی کے قریبی رشتے دار اوران کو بہت ہی چاہنے والے تھے۔

مولانا عبدالسلام صاحب ندوی ماشاء اللہ ایک جید حافظ القرآن، بلند پایہ کے عالم دین ہونے کے ساتھ ایک دین دار اور ملت وقوم کے ہمدرد وخیر خواہ انسان تھے، ملت وقوم کی فلاح اور بہبودی کے لئے مختلف انجمنوں اور تنظیموں میں سرگرم کارکن رہے، جہاں بھی رہے بھر پور خدمت کرتے رہے تھے، اللہ تعالی کو منظور تھا کہ آپ نے ۲۰۲۱ء میں عرب امارات میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہیں۔

مولوی عبدالرحمن صاحب ندوی سندی فرانگی، بوسیدنگی:

مولوی عبدالرحمن ندوی قاسمی صاحب کی پیدائش جنوبی بوسیدنگ کی مردم خیز بستی سندی فرانگ میں تقریبا ۱۹۷۰ء میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کی معروف درسگاہ ''مدرسہ اشاعت العلوم سندی فرانگ'' میں پائی، اس کے بعد مدرسہ محمدیہ فرانفورومنگڈو میں داخلہ لیا، یہاں چند سال حضرت مولانا سیدالامین صاحبؒ وغیرہ سے پڑھ کر ہندوستان کا سفر کیا اور دارالعلوم دیوبند میں چند سال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دوسال پڑھ کر کلیہ اللغۃ العربیۃ کی سند حاصل کی اور بنگلا دیش چلے آئے، مولوی صاحب نے راقم سطور کے ساتھ ''مدرسہ دار الانصار چاٹگام'' میں چند سال تعلیم دی، اس کے بعد وطن جا کر شادی خانہ آبادی کی سنت ادا کی۔

مولوی عبدالرحمن ندوی صاحب کے سسر حضرت مولانا مفتی یوسف جلال صاحب رائی شنگ فاروی، سندی فرانگیؒ میرے استاد رہ چکے ہیں، مفتی صاحب ٹنڈ الہ یار کے فارغ التحصیل تھے، بہت بڑے عالم دین اور منجھے ہوئے مدرس ہونے کے ساتھ بڑے بہادر، غیور اور خوددار بھی تھے۔

مولوی عبدالرحمن ندوی صاحب نے ''دارالانصار'' چاٹگام میں چند سال تعلیم دے کر وطن عزیز ارکان کا رخ کیا، وہیں مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے، لیکن ظالم مگھ اور برمی دہشت گردوں نے آپ کو وطن میں جینے نہیں دیا، آپ پر ان وحشی دہشت گردوں نے ایسے ایسے مظالم ڈھائے جنہیں سن کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے اور آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں، ویسے آپ دوبارہ مع اہل خانہ چاٹگام چلے آئے، اور چاٹگام کے جنوبی علاقہ پدوا میں مقیم وہاں ایک مدرسہ کے مدرس ہیں۔

مولوی عبدالرحمن صاحب ندوی قاسمی ماشاءاللہ بڑے جید عالم دین ہیں تفسیر وحدیث، فقہ وکلام، ادب وبلاغت، نحوصرف، منطق وفلسفہ غرض ہرفن کے مولی ہونے کے ساتھ ماشاءاللہ بڑے قابل قدر مدرس ومعلم بھی ہیں۔

شنید ہے کہ مولوی عبدالرحمن صاحب نے حال ہی میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کی اشاعت کی کوئی راہ پیدا کردے، ماشاءاللہ لکھاری ہونے ساتھ دین اور علم دین کی خدمات میں مصروف عمل ہیں، اللہ تعالی ان کی حیات دراز کرے، آمین۔

مولوی محمد ایوب صاحب ندوی ہولاپوی، بوسیدنگی:

مولوی محمد ایوب ندوی کی پیدائش جنوبی سیدنگ کی معروف بستی ہولا پے میں ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقے کے مکتب ومدارس میں ہوئی، اس کے بعد بنگلا دیش کے مختلف مدارس میں تعلیم پاکر ہندوستان پہنچے اور دارالعلوم ندوے میں چند سال پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

مولوی صاحب کے بڑے بھائی مولوی محمد یونس صاحب شہید کبھی راقم کے ہم جھولی رہ چکے تھے، بڑے بلند اخلاق کے طالب علم اور عالم دین مدرسہ مظاہر العلوم سرسکتائی چاٹگام کے فارغ التحصیل تھے، انہوں نے اپنی تعلیمی زندگی کے آغاز میں ''روہنگیا فدائین محاذ (RPF)'' میں شامل ہو کر عسکری تربیت لی، محاذ کی طرف سے لیبیا میں بھی عسکری تربیت پائی، ہمارے قومی قائد محمد جعفر حبیب کے نہایت قریبی اور عزیز ترین ساتھیوں میں ان کا شمار تھا، بڑے وفاشناس مجاہد تھے، قائد کے انتقال کے بعد مولوی محمد یونس صاحب روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن میں شامل ہوکر ۱۹۹۴ء کے جہاد میں جنوبی منگڈو گئے، ایک قابل قدر مجاہد فی سبیل اللہ تھے، جہاں انہوں نے ظالم برمی فوج سے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا، اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے۔

مولوی محمد ایوب دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد بنگلا دیش آکر دین وملت اور وطن عزیز کی خدمات انجادیتے رہے ہیں، مولوی محمد ایوب صاحب ہمارے ایک مکرم دوست مولانا ڈاکٹر مظفر حسین ندوی (لکچرر انٹرنیشنل اسلامی یونیورسیٹی چاٹگام) کے قریبی عزیزوں میں سے ہیں، ماضی قریب میں ڈاکٹر صاحب کے زیر اہتمام چلنے والے ایک مدرسہ کے خادم یا مدرس بھی رہ چکے ہیں۔

مولوی محمد ایوب صاحب آج کل جنوبی چاٹگام کی ایک درسگاہ میں مدرسی کے فریضے انجام دے رہے ہیں، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسیٹی چاٹگام کے بعض ضروری پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں، ویسے رہ رہ کر راقم کے ساتھ ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، نہایت خلیق اور کریم النفس انسان ہیں۔

مولانا محمد ایوب صاحب جس طرح عرض کی گئی ہے کہ مولوی محمد یونس جہادی شہید ہولاپوی کے حقیقی بھائی نہایت کم گو اور بڑے خلیق عالم دین ہیں، الحمدللہ دین اور تعلیم دین کی خدمات میں بڑی یکسوئی کے ساتھ مصروف عمل ہیں، اللہ تعالی مولانا محمد ایوب کی حیات درازی کے ساتھ ان کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشے، آمین۔

خاکسار محمد طاہر جمال ندوی باغکونوی، بوسیدنگی:

خاکسار محمد طاہر جمال ندوی کی ولادت ۵/ ۵/ ۱۹۶۶ء میں جنوبی بوسیدنگ کی مردم خیز بستی باغکونہ (علی چنگ) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی بستی کے مکتب (فرقانیہ) اور سرکاری پرائمری اسکول سے پاکر جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں داخلہ لیا، یہاں سے اس نے ثانویہ تک تعلیم پاکر دار المعارف الاسلامیہ چاٹگام میں ایک سال حضرت مولانا محمد سلطان ذوقؔ ندوی اور حضرت مولانا فرقان اللہ خلیل صاحب سے پڑھا، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں پڑھ کر ہندوستان گیا اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، یہاں سے کلیۃ الادب العربی سے ماجستر کرکے ۱۹۹۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔

خاکسار فراغت تعلیم کے معابعد بنگلا دیش آیا اور یہاں کے مختلف مدارس میں پڑھاتا رہا تھا، جن میں جامعہ اسلامیہ حیلد رانو اہرہ اور دار الانصار چاٹگام قابل ذکر اور نا قابل فراموش درسگاہیں ہیں، پھر چند سال اس نے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا، جہاں اس نے چند سال گزارے، اس کے بعد دوبارہ بنگلا دیش آیا ہوا ہے، حالیا تصنیف و تالیف میں مصروف اور سرگرم عمل ہے، الحمد للہ خاکسار کی چند گرانمایہ تصانیف منظر عام پر آئیں اور کافی مقبول بھی ہوئیں۔

خاکسار کے متعلق ایک قریبی ساتھی نے یوں لکھا ہے کہ:

''مولانا محمد طاہر جمال ندوی (فاضل جامعہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، ہند، وتلمیذ خاص مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت ہمارے علمی اور ثقافتی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، آپ ایک جلیل القدر عالم دین، معروف ادیب وقلم کار ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک نامور مورخ بھی ہیں، جن کی چند تصانیف ماشاء اللہ چھپ کر منظر عام پر آچکیں، اور بہت ساری تصانیف اب زیر نظر بھی ہیں، مولانا کی ان تصانیف میں سے ایک مقبول ترین شاہ کار تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' کا پہلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۹۹ء اور دوسرا ایڈیشن ۲۰۲۳ء میں مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آئی، جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اور ہر ایک ایڈیشن چند مہینے گزرتے نہ گزرتے سارے کے سارے ختم

ہو گئے تھے، تو ہر طرف سے آواز اٹھی تھی کہ اس گرانمایہ تصنیف کا تیسرا ایڈیشن بھی کیا جائے، لیکن مصنف کی بعض مجبوری اور معذوری، دیگر مصروفیات اور اسفار کے علاوہ حالات کی کچھ نا قابل بیان دباؤ کی وجہ سے ہزار مانگ اور وطلب کے باوجود اس کا تیسرا ایڈیشن اب تک نہ ہو سکا تھا''۔ اس شاہکار تصنیف کے حوالے سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد گرامی ملاحظہ ہو کہ:

''راقم کو عزیز گرامی مولوی محمد طاہر جمال ندوی زاداللہ توفیقا کی کتاب ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' کو دیکھ کر مسرت ہوئی، ایسے بہت سے اسلامی ممالک اور قطعات زمین جہاں آزادی کی جنگ لڑی گئی یا بلند نیک مقاصد کے لئے طویل جدوجہد ہوئی اور قربانیاں دی گئیں، لیکن ان موقف اور کارناموں کی تاریخ پورے طور پر قلم بند نہیں ہوئی، حالانکہ کم سے کم ان علاقوں اور جدید نسل کو معلوم ہونے کی ضرورت تھی کہ ان کے اسلاف نے جنگ آزادی کی کیا قیمت ادا کی، کیا قربانیاں دیں اور کس طرح اس کا استحقاق پیدا کیا اور بیرون ممالک کے تاریخ نویسوں اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو ہونا چاہئے کہ اس ملک اور علاقہ کا ماضی میں کیا کردار رہا ہے اور اس نے کیا قربانیاں دیں اور آزادی اور وقار وعزت کی کیا قیمت ادا کی۔

فاضل عزیز مولوی محمد طاہر جمال ندوی شکر اور سپاس کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت اور مطالعہ اور لیاقت کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا، اپنے وطن کا حق ادا کیا اور تاریخ کے خلا کو پر کیا جو عرصہ سے پایا جاتا تھا''۔

اور حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی رئیس تحریر البعث الاسلامی وصدر شعبہ ادب عربی، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ لکھتے ہیں کہ:

''ہمارے عزیز دوست مولانا محمد طاہر جمال ندوی نے تاریخی پس منظر میں سرزمین ارکان کی تحریک آزادی پر کتاب لکھ کر نہ صرف دعوتی اور تحریکی، اسلام پسند طبقے پر

احسان کیا ہے، بلکہ مسلمانوں کے کارناموں، ان کی جدوجہد، دعوتی اور فکری کوششوں سے تعلق رکھنے والے حلقے کے لئے معلومات کا ایک خزانہ پیش کردیا ہے- میں مولف کو اس کامیاب کوشش پر دلی مبارکباد دیتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائیں اور ہر طرح سے مفید بنائیں، واللہ ولی التوفیق''۔

اور دور حاضر کے عظیم زعیم ومفکر اور مسلم ہندوستان کے قابل قدر لیڈر و رہنما حضرت مولانا سید سلمان الحسینی ندوی سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، وصدر جمعیۃ شباب اسلام انڈیا نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ:

''تاریخ کے یہ سرخ صفحات بھولے بسرے ہوئے جاتے تھے، برادرم محمد طاہر جمال ندوی شکریہ اور داد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے تاریخ کے اوراق کو کھنگالا، بکھرے ہوئے مواد کو اکٹھا کیا، معلومات کا گلدستہ تیار کیا، ارکان کے مسلمانوں کو ان کا عہد رفتہ یاد دلایا اور پوری امت اسلامیہ کو بیداری کا ایک پیام دے دیا، کہ جاگتے رہو اور گذشتہ تجربات سے سبق حاصل کرتے رہو، جدوجہد آزادی سے کبھی غفلت نہ برتنا، اور اسلام کی حقیقی دعوت کو کبھی فراموش نہ کرنا- اللہ تعالیٰ اس نوخیز مصنف کو جزائے خیر دے اور اس کوشش کو بارآور فرمائے آمین-

اور مایۂ ناز عالم دین وادیب اریب حضرت مولانا نذر الحفیظ ندوی، ازہریؒ استاد علوم اسلامیہ وادب عربی دار العلوم ندوۃ العلماء نے یہ لکھا ہے کہ:

''عزیز گرامی قدر مولوی طاہر جمال ندوی نے ارکان میں تحریک آزادی کی جدوجہد اور وہاں کی مختلف شخصیات نے اس میں جو حصہ لیا ان پر ایک مفصل اور مستند کتاب تیار کی ہے، ہم نے جابجا سے کتاب دیکھی ہے، زبان اردو ہے لیکن ادیبانہ اسلوب اور مورخانہ انداز مصنف نے اختیار کیا ہے، یہ کتاب دعوتی اور تربیتی کام کرنے والوں کے لئے بڑی مفید اور چشم کشا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی کوئی سبیل پیدا فرماوے، اگر عربی میں کتاب منتقل ہوجائے تو عرب دنیا

کے دعوتی اور تربیتی حلقوں کے لئے بڑی مفید ثابت ہوگی''-

اور حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب تنگ بازاری بوسیدنگیؒ بی، اے، ایم، اے، ایم، ایم، ایل، ایل، بی، سابق اڈووکٹ بنگلا دیش سپریم کورٹ کی تحریر خاکسار کی اس تصنیف کے حوالے سے ملاحظہ ہو، چنانچہ آپ نے لکھا ہے کہ:

''عزیز کی یہی شاہکار تصنیف اپنی جلو میں اہم اور خاصی دستاویزات رکھتی ہے، ساتھ ساتھ انداز ترتیب میں بھی جوفنی جوہر اور جدت کا مظاہرہ کیا وہ آں عزیز ہی کا حصہ ہے، سچ تو یہ ہے کہ یہ کام بڑا کٹھن تھا جسے نبھانے کے لئے کم از کم ایک علمی اور تحقیقی مجلس 'ایکاڈیمی) کی ضرورت تھی، مگر عزیز موصوف کے یہ صبر وتحمل، سلامت طبع اور دقت فکر ونظر کا ثمرہ تھا کہ انہوں ایسے پرکٹھن کام کو بڑی حسن اسلوبی سے انجام تک پہنچایا، آفریں برآفریں بریں ہمت یکتائے تو کہنے کے سوا مجھ سا بے مایہ سے اور کیا ہوسکتا ہے؟ میری نظر میں عزیز موصوف کی یہ کاوش نہ صرف سرزمین ارکان کی ایک اچھی خاصی دستاویز ہے بلکہ دنیائے تاریخ میں ایک قابل تحسین اضافہ بھی، باشندگان ارکان اور خطۂ زمین سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے یہ نادر تصنیف ایک گراں مایہ تحفہ ہے، دربار رب العزت میں خاص دلی دعا ہے کہ وہ اس غیر معمولی شاہکار کو قبول فرمائیں اور مصنف عزیز کو اسلام اور انسانیت کی مزید خدمات کی توفیق سے نوازیں، وماتوفیقی الا باللہ''۔

اور عظیم نامور دانشور، فلسفی مورخ ڈاکٹر معین الدین احمد خان، پروفیسر اسلامی تاریخ وثقافت، چاٹگام یونیورسیٹی، بنگلا دیش نے اس کتاب کے مقدمہ لکھنے کے دوران ایک جگہ پر یوں لکھا ہے کہ:

''میں اسے ارکان اور روہنگیا مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں اور دنیا کی سچی تاریخ ڈھونڈھنے والوں کے استفادہ کے لئے اشاعت اور اسے قارئین کرام کے مابین وسیع پیمانے پر توزیع وتقسیم کرنے کو ضروری سمجھتا ہوں، آخر میں میری عرض اور تمنا یہی رہے گی کہ اسے دوسری زبانوں، خصوصا عربی، بنگلا،

انگریزی، برمیز، ملایو میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ اس کی افادیت میں وسعت آئے‘‘۔

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ:

’’یہ حسین وجمیل گلدستہ اور زندہ ومنہجی کاوش (METHODOLOGY) ایک عالمانہ وفاضلانہ، ادیبانہ ومبصرانہ، تحلیلانہ ومحققانہ کوشش ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر قابل اخذ مصادر ومراجع، نایاب دستاویزات اور تحقیقی اخبارات بھی رکھتی ہے، اور مصنف نے اسے اخذ کرکے موزون اور برمحل موقع پر کام میں لانے میں جس دور اندیشی ودور بینی کا مظاہرہ کیا وہ ان کا امتیازی حصہ ہے۔ بلاشبہ مصنف کی یہ کاوش ارکان اور روہنگیا مسلمانوں کی تاریخ کے متعلق ضروری اور کام آنے والی اخبارات واطلاعات اٹھانے والی بتائی جاسکتی ہے، یہ پوری دنیا کے ان پڑھنے والوں کے لئے جو تاریخ انسان وانسانیت کی رازجوئی کے لئے کوشاں اور سرگرداں ہیں، بڑی موزون اور کام آنے والی دستاویز ہے‘‘۔

خاکسار کی انمول اور شاہکار تصنیف ’’تذکرۂ علامہ سید الامینؒ‘‘ سن ۲۰۲۰ء میں دار البحوث والمناصرۃ الاسلامیہ چاٹگام، بنگلادیش نے طباعت کرکے منظر عام پر لائی، جو بھی بہت مقبول ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہے، اس تصنیف کے بارے میں بہتوں اہل نظر نے بہت کچھ کہا اور لکھا ہے، جن میں سے استادِ محترم حضرت مولانا فرقان اللہ خلیل صاحب نے کی کچھ تحریر ملاحظہ ہو کہ:

’’عزیز مصنف کی تعلیم وتربیت کے مراحل جن علمی وفکری درسگاہوں میں طے ہوئے، اور جن جید اساتذہ اور معروف صاحبانِ علم وعمل وفکر وفراست کی صحبتیں انہیں میسر آئیں، ان سب نے ان کی فطری استعداد میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ میری نظر میں وہ ایک وسیع الاطلاع قلم کار ہیں، اور تاریخ کے حوالے سے ماضی قریب وبعید کے گوناگوں حالات وواقعات سے خاصے واقف، اور ارکان کے عہد حاضر کی مختلف تحریکوں اور سرگرمیوں اور وہاں کے قومی وملی رجحانات سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں فطرت نے تاریخ وتذکرہ، اور سیرت وسوانح

نگاری کے حوالے سے ایک خصوصی ذوق اور اختصاصی مزاج عطا کیا ہے، ماشاء اللہ ان کے ذہن رسا نے انہیں وہ علمی وفکری بصیرت عطا کی ہے، جس کے ذریعے وہ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے اپنے اشہب قلم کو جنبش دیتے اور تحقیق جیسے خار زاروں میں قدم چلاتے رہے ہیں، اور ان کے تیشۂ تحقیق نے بیشۂ علم وفن میں جو جواہر ریزے اور صدف پارے تیار کئے ہیں، ان میں سے کچھ چیزیں قارئین کرام کو زیر نظر کاوش میں مختلف عنوانات کے تحت سینکڑوں صفحات میں پھیلی ہوئی دکھائی دیں گی، ماشاء اللہ بڑی روانی وطغیانی کے تہہ بتہ ان کا قلم شستہ اور پیرایہ شگفتہ ہے، سادگی میں پرکاری کے نقوش ان کی تحریر کا ایک نمایاں خاصہ بھی ہے، ع:

خدا کرے کہ یہی سلسلہ دراز رہے‘‘۔

مولانا فرقان اللہ خلیل صاحب دامت برکاتہم نائب مہتمم جامعہ دار المعارف الاسلامیہ چاٹگام ومدیر ماہنامہ ’’الحق‘‘ نے اور ایک جگہ یوں لکھا ہے کہ:

’’مصنف عزیز نے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ بہت ساری فکری، تاریخی اور علمی کتابیں لکھی ہیں، مگر ان کے قلم کا اصلی زور اور جوہر پارے سیرت نگاری کے میدان میں کھلتے ہیں، ان کے متنوع علمی اور فکری کارناموں میں سیرت وسوانح نگاری گویا گلِ سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے مولانا سید الامین صاحب کی سوانح ’’تذکرۂ علامہ سید الامینؒ‘‘ میں ایک ایسا خاکہ اور نقشہ پیش کیا ہے کہ جو عام فہم ہونے کے علاوہ تاریخی اور سوانحی حقائق سے بھی لبریز ہے، جس میں قدم قدم پر وسعت اطلاع، ورق ورق پر حقائق کا انبار، سطر سطر میں حالات کی نقشہ نگاری، لفظ لفظ میں تحقیق وتفتیش، حوالہ جات میں حزم واحتیاط، پیراگرافوں میں استخراجِ نتائج، اور ہر مقام میں اسلوب کی سادگی اور قلم کی کرشمہ سازیوں کا اعجاز دکھائی دیتا ہے۔ اور یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ مولف عزیز نے ارکان کی اس عظیم ہستی کے تذکرے کو جس محنت وسلیقے سے جمع کیا ہے، یہ اہل فکر ونظر پر ان کا ایک بھاری احسان کا درجہ

رکھتا ہے۔ یہ پندرہ ابواب پر مشتمل پانچ سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی جامع سوانح ہمارے اہل علم وفکر کے لئے بلا شبہ ایک تحقیقی سوغات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس سوانح کے مطالعہ سے ہمارے قارئین کرام ماضی قریب کی ایک عظیم شخصیت کے احوال سے نہ صرف واقف ہوں گے بلکہ ان کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ قحط الرجال کے اس عالم میں فطرت نے حاملان ملت اسلامیہ کی بیداری اور ان کی دینی اقدار کی پاسبانی کے لئے کیسے کیسے مشاہیر کو پیدا کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ تذکرہ دراصل ایک ملی وقومی فریضہ تھا، جسے بحمد اللہ ادا کیا گیا ہے، اور جس محنت، عقیدت اور لگن سے مصنف نے اس فریضہ کی تکمیل کی ہے، وہ بلا شبہ ان کا اپنا حصہ ہے، جو قابلِ داد بھی ہے اور لائقِ صد تحسین بھی۔ اللہ تعالی مصنف عزیز کی حیات دراز کرے، تاکہ وہ اپنے قلم کی جولانیوں سے مزید نقوش مرتب کرسکیں۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد‘‘۔

خاکسار کی اور ایک تصنیف ’’تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبد السلام صاحب ارکانیؒ‘‘ کے جامع مقدمہ لکھنے کے دوران گرامی قدر محترم پروفیسر ابو رضا محمد نظام الدین صاحب ندوی ایم پی (چیرمن ٹرسٹی بورڈ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسیٹی چاٹگام) نے یوں لکھا ہے کہ:

’’بہر حال آمدم بر سر مطلب کہ حضرت ارکانی صاحبؒ کی سوانح حیات کو لکھ کر منظر عام پر لانا آپ کے منتسبین و متعلقین کے سر پر عموما اور خلفائے کرام کے سر پر خصوصا ایک بھاری قرض تھا، لیکن بقول کسے ’’دیر آید درست آید‘‘ کہ اللہ تعالی نے اس قرض کو بحسن وخوبی ادا کرنے کے لئے خود ارکانی صاحبؒ کے وطن کے ایک ندوی فاضل عزیز مکرم مولانا محمد طاہر جمال ندوی کو چنا ہے، جنہوں نے ’’تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبد السلام ارکانیؒ‘‘ تصنیف کر کے جہاں کمال لیاقت کے ساتھ اپنی ذمے داری کا حق ادا کیا ہے تو وہاں حضرت کے منتسبین و متعلقین کے علاوہ دنیائے علم عرفان سے وابستگی رکھنے والی اگلی

نسل پر ایک بھاری احسان بھی کیا ہے۔

عزیز مصنف نے اپنی تعلیم وتربیت کے آخری مراحل دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہند کے عظماء ومشاہیر کے سامنے طے کئے، اللہ تعالی نے ان کو تاریخ وتذکرہ اور سیرت وسوانح نگاری کے لئے ایک خصوصی ذوق اور اختصاصی مزاج بخشا کیا ہے، یوں تو انہوں نے بہت ساری فکری، تاریخی اور علمی کتابیں تصنیف کی ہیں، مگر ان کے قلم کا حقیقی زور اور جوہر پارے سیرت وسوانح نگاری کے میدان میں جا کھلتے ہیں، ماشاء اللہ ہر مقام میں اسلوب کی سادگی کے ساتھ پرکاری اور قلم کی روانی اور جولانی کے ساتھ کرشمہ سازی دکھائی دیتی ہے۔

درحقیقت مصنف نے ارکان کی اس عظیم المرتبت ہستی کی سیرت کو جس محنت، لگن اور سلیقے سے جمع ومرتب کیا ہے، بلا شبہ یہ ایک تحقیقی سوغات کا درجہ رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے مطالعہ سے قارئین کرام نہ صرف ماضی قریب کے ایک عظیم اور باکمال ہستی کے حالات وکوائف اور ان کے مقام عالی سے واقف ہو کر ان کی تعلیمات سے مستفید ہوسکیں گے، بلکہ ان کو یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ اللہ تعالی نے حاملان ملت اسلامیہ کے رشد وہدایت واصلاح احوال کے لئے کیسے کیسے عظماء ومشاہیر کو پیدا کیا ہے‘‘۔

خاکسار ہندوستان کی تعلیم کے دوران ’’رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کا سرگرم رکن تھا، ۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی اسٹنڈنگ کمیٹی (NSC) کا ممبر پھر ۲۰۰۰ء میں اس تنظیم کی مجلس عاملہ (CEC) کے ممبر ہونے کے ساتھ شریعہ کونسل کا صدر بھی رہا، پھر وہ اپنے سعودی عرب کے سفر کے دوران وہاں اس مذکورہ تنظیم کی جانب سے مندوب بھی رہ چکا تھا، علاوہ ازیں حال میں تشکیل پانے والی قومی تنظیم ’’ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کا اراین سی (RNC) ممبر بھی ہے۔

خاکسار محمد طاہر جمال ندوی مقیم حال چاٹگام ہر ایک بھائیوں اور خیر اندیشوں سے دعا کی درخواست کرتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے اسے خیر وعافیت سے رکھتے ہوئے ملت وقوم کی خدمات کی مزید توفیق عنایت کرے۔

مصنف کی بعض مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف:

سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی	سازش کا طوفان عقلیت و مادیت کے روپ میں
روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے	تذکرۂ علامہ سید الامینؒ
تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبدالسلام ارکانیؒ	روہنگیا مسلمان اور ان کی ہجرت کے اسباب
ارکان کے عظیم شاعر علاول، حیات و کارنامے	ارکان روہنگیا یونین، ماضی اور حال کے تناظر میں
روہنگیا چیخ و پکار اور مطالبات (ترجمہ)	تذکارِ علمائے ارکان
وادیٔ پرخار کے گمنام مسافر	سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ
سرخیل کارواں	علماء اور جمعیۃ علمائے اسلام ارکان
روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ	روداد سخن
خورشید تاباں	کاروان انسانیت
سفر اور کامیابیاں	اارکان کے چند ندوی فضلاء ا
عظیم ارکانی لیڈران	علماء اور جمعیت علمائے ارکان
مقالاتِ طاہر ندوی	روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ
مدارس اسلامیہ کا نصاب و نظام اور جدید تقاضے	دو نظام تعلیم
ارکان کے روہنگیا مسلمان موت و حیات کی کشمکش میں	ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO)
ارکان میں خانہ جنگی کا دور دورہ	شعرائے ارکان
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۲)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۳)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۴)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۵)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۶)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۷)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۸)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۹)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱۰)
تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱۱)	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے، جلد (۱۲)